ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

30 اگست تا 5 ستمبر 2001ء

☆ مسئلہ کشمیر اور بھارتی حکومت کی بدحواسیاں (تجزیہ)

☆ امیر تنظیم اسلامی سے ''نوائے وقت'' کا انٹرویو (گفت وشنید)

☆ آخرت میں کامیابی کے لئے خلوص لازم ہے (منبر ومحراب)

ہمارے جداگانہ تشخص کا واحد جواز!

اسلام سے وابستہ ہونا ہی ہمارے جداگانہ تشخص کا واحد جواز ہے۔ ہم کوئی نسلی وحدت نہیں ہیں۔ ہم لسانی وحدت بھی نہیں ہیں، حالانکہ اردو مسلمانانِ ہند کی زبان کی حیثیت سے بڑی ترقی یافتہ زبان ہے۔ ہم انگریزوں یا عربوں یا چینیوں کی طرح ''قوم'' نہیں ہیں، اور نہ کبھی اس مفہوم میں قوم بن سکتے ہیں اور یہی ایک حقیقت کہ ہم لفظ ''قوم'' کے روایتی ورواجی مفہوم میں نہ تو قوم ہیں اور نہ قوم بن سکتے ہیں، ہماری اندرونی قوت کا بہت بڑا سرچشمہ ہے۔ کیونکہ اس حقیقت کی بنیاد پر ہمیں یہ شعور حاصل ہوتا ہے کہ پورے کرۂ ارض پر، پوری دنیا میں ہم، فقط ہم، بشرطیکہ ہم ایسا چاہیں، اس شاندار منظر میں حیات نو پیدا کرسکتے ہیں جو چودہ سو سال پہلے عرب کے صحراؤں سے اٹھا تھا، ایسے آزاد مردوں اور عورتوں کی ایک امت کا شاندار منظر جو نسل، زبان اور وطن کے اتفاقی وحادثاتی بندھنوں کے باعث متحد و یک جان نہیں ہوئے تھے، بلکہ ایک مشترکہ نصب العین سے اپنی باشعور اور آزادانہ وفاشعاری کے باعث متحد ومتفق ہوئے تھے۔

بدقسمتی سے ہمارے صف اوّل کے اکثر رہنما مسلمانوں کے اس گم کردہ راہ اور تشکیک پسند طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جن کے نزدیک اسلامی ''ثقافتی روایت'' کے سوا کچھ نہیں اور یوں پاکستان بھی ان کے خیال میں محض اس راہ کا ایک نشان ہے، پہلا قدم سہی، جس پر نام نہاد ''ترقی یافتہ'' مسلم اقوام دیر سے چلتی آ رہی ہیں، یعنی بہ تمام وکمال قومیت کی راہ۔ ہماری جدوجہد کے اسلامی پہلو پر یہ رہنما کبھی کبھار زبانی کلامی کچھ کہہ بھی لیتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت اسلام کے مذہبی اصولوں کے مطابق مسلمانوں کی ذاتی واجتماعی زندگی ڈھالنے کی طرف اشارے کنائے میں بھی بات نہ کرنے کو ''جدیدیت'' خیال کرتے ہیں۔ پاکستان کے مطالبے کو بھی اسلامی مقاصد سے ہم آہنگ کرنے میں انہیں عار محسوس ہوتی ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ نیم دلانہ رویہ تحریک پاکستان کے بدن سے، سب سے متحرک اور فعال عنصر یعنی روحانی عنصر کو نکال لیتا ہے اور یہ چیز پاکستان کے مستقبل کے لئے اتنا بڑا خطرہ ہے کہ باہر کی کوئی مخالفت اس خطرے کی پاسنگ بھی نہیں ہے۔ (علامہ محمد اسد مرحوم کے مقالہ ''ہم پاکستان کیوں بنانا چاہتے ہیں؟'' سے ایک اقتباس)

سورۃ البقرہ (۳۲)

﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۖ ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○﴾ (آیات: ۲۸'۲۹)

''(اے لوگو!) تم کیسے اللہ کا انکار کرتے ہو جبکہ تم مُردہ تھے تو اس نے تمہیں زندگی عطا کی' پھر وہی تمہاری جان سلب کرے گا' پھر تمہیں زندہ کرے گا' پھر تمہیں اسی کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں' پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا' سو انہیں سات آسمانوں میں برابر کر دیا اور وہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے''۔

ان آیات میں انسان کی عظمت کا ذکر دو حوالوں سے کیا گیا ہے۔ ایک تو یہ حقیقت واضح کی جا رہی ہے کہ انسان کا سفرِ حیات نہایت طویل ہے۔ ارواحِ انسانی کی تخلیق مادی کائنات کی تخلیق سے بہت پہلے عمل میں لائی گئی تھی۔ چنانچہ یہاں استعجاب کا اندازِ تخاطب اختیار کر کے کہا گیا کہ تم اللہ تعالیٰ سے کفر و بغاوت کا رویہ کیسے روا رکھ سکتے ہو حالانکہ غور کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہی اللہ ہے جس نے تمہیں موت کے بعد زندہ کیا' پھر وہ دوبارہ تم پر موت طاری کرے گا اور پھر تمہیں زندہ کر دے گا اور پھر تم اس کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے۔ یہاں پہلی موت سے مراد وہ نیند ہے جو انسان کی روح پر اس کی تخلیق کے بعد طاری کر دی گئی تھی۔ نیند کو موت کے مماثل معنوں میں استعمال کرنے کی بہترین مثال وہ مسنون دعا ہے جو صبح بیدار ہونے پر پڑھی جاتی ہے کہ: ''سارا شکر اس اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے دوبارہ زندہ کیا اس کے بعد کہ مجھ پر موت طاری ہو گئی تھی''۔ یوں نیند کو موت کی بہن بھی کہا جاتا ہے۔ آیت کے اس حصے میں ایک اور نکتہ جو غور اور توجہ کے قابل ہے وہ یہ کہ انسان کی تخلیق کے ضمن میں اسے ''مُردہ'' سے ''زندہ'' کرنے کا ذکر کیا گیا ہے نہ کہ ''عدم'' سے ''وجود'' میں لانے کا۔ اس سے یہ بات مزید مبرہن ہو جاتی ہے کہ انسان کی روحانی زندگی محض اس دنیا تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا آغاز زمین و آسمان کی تخلیق سے بہت پہلے ہو گیا تھا اور آخرت میں حیاتِ انسانی کا تسلسل تا ابد جاری رہے گا کیونکہ آخرت بھی ابدی ہے۔ چنانچہ پہلے تو انسان کے جسدِ خاکی میں اس کی روح پھونک کر اسے حیاتِ دنیوی عطا کی گئی۔ اس کے بعد ہر انسان اس دنیا میں اپنی طبعی عمر کا معین عرصہ گزار کر ایک مرتبہ پھر موت کی نیند سو جائے گا جس سے اسے آخرت میں اٹھایا جائے گا۔

دوسری آیت میں انسان کی بڑائی کا ذکر اس اعتبار سے کیا گیا ہے کہ اسے زمین کی خلافت عطا کی گئی۔ زمین کی ساری چیزیں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے پیدا کی ہیں۔ چنانچہ حیوانات' جمادات' دریا اور پہاڑ انسان کے فائدے کے لئے مسخر کر دیئے گئے ہیں۔ اس ضمن میں ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''یہ دنیا انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے جبکہ انسان کو آخرت کے لئے پیدا کیا گیا''۔ سات آسمانوں سے کیا مراد ہے' اس کی حقیقت ابھی تک ہم پر منکشف نہیں ہو سکی ہے' یعنی ہمارا دنیوی سائنسی علم ابھی اس درجے تک نہیں پہنچا کہ ہم آیت کے اس حصے کا ادراک کر سکیں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ وہ ہر شے کے حقیقی علم کا حامل ہے۔

اللہ کے لئے تواضع اختیار کرنا

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَّمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ)) [رواہ مسلم' کتاب البر والصلة والآداب' باب استحباب العفو والتواضع]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں خیرات و انفاق کرنے سے مال میں کمی نہیں ہوتی اور بندۂ مومن کسی کو معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ فرما دیتے ہیں اور اگر کوئی صرف اللہ کی خاطر تواضع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی قدر و منزلت اور بڑھا دیتے ہیں''۔

یہ تین چیزیں اسی شخص میں پیدا ہوتی ہیں جو آخرت پر یقین رکھتا ہو اور واقعی اس دنیا کی زندگی کو ابتلاء اور آزمائش کا سامان مانتا ہو' ورنہ انسان تو یہ سمجھتا ہے کہ مال اللہ کی راہ میں دینے سے ختم ہو جاتا ہے۔ حالانکہ جس کی راہ میں خرچ کیا جا رہا ہے وہ ایسے وسائل پیدا فرما دیتا ہے کہ مال میں برکت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح انسان میں بدلہ لینے کی طاقت ہو تو کب برداشت کر سکتا ہے کہ کوئی اس کی بے عزتی کر جائے یا اس کا نقصان کر دے اور وہ اسے سبق نہ سکھائے۔ جبکہ ایک بندۂ مومن کبھی بھی قانون کو ہاتھ میں نہیں لیتا اور قابو پا کر بھی دشمن کو معاف کر دیتا ہے تاکہ آخرت میں بلند درجات حاصل کر سکے اور یہ صبر جسے قرآن مجید عزم الامور قرار دیتا ہے' صرف ایمان بالآخرۃ کے یقین کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ تیسری بات کہ انسان کو اللہ نے دنیا میں کوئی مقام دیا ہوا ہو اور پھر وہ تکبر سے بچ کر تواضع کو اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی وہ شرف کا حق دار ٹھہرتا ہے اور دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اس کی قدر و منزلت اور شرف بڑھا دیتے ہیں۔ لیکن یہ رویہ عبدیت کا شعور رکھنے والا ہی اپنے مقام کو پہچان کر اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر بندۂ مومن کو ان اوصاف کا حامل بنا دے تو معاشرے میں کتنی بھلائی پھیل جائے اور کتنا عفو و درگزر اور اخوت باہمی پیدا ہو جائے!

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

تحریک خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

جلد 10 شمارہ 32
30 اگست تا5 ستمبر 2001ء
(۹ تا ۱۶ جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ)

بانی : اقتدار احمد مرحوم
مدیر : حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: فرقان دانش خان

معاونین: مرزا ایوب بیگ ' سردار اعوان
محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت : شیخ رحیم الدین

پبلشر: اسعد احمد مختار ' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور
مقام اشاعت: 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 03-5869501 فیکس:5834000
E-Mail:anjuman@tanzeem.org
Website:www.tanzeem.org

قیمت فی شمارہ : 5روپے
سالانہ زر تعاون:
اندرون ملک.....250روپے
بیرون پاکستان:
☆یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ
..........1500 روپے
☆امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ
.........2200 روپے

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حافظ عاکف سعید

ہے جرم ضعیفی کی سزا......

فلسطینی مسلمانوں پر یہودیوں کے بڑھتے ہوئے مظالم کی داستان خونچکاں کا ذکر کرتے ہوئے کلیجہ شق ہوتا ہے۔ وہ آزاد فلسطینی ریاست جس کا خواب کبھی یاسر عرفات نے دیکھا تھا' پہلے دن سے اسرائیل کے نرغے میں تو تھی ہی' اور اس اعتبار سے اس کی آزادی محض ایک سراب سے زائد نہ تھی' لیکن اب عملاً وہاں سڑکوں پر اسرائیلی ٹینک دندناتے پھر رہے ہیں اور بلڈوزروں کے ذریعے آباد بستیاں نہایت بے رحمی کے ساتھ مسمار کی جا رہی ہیں۔ ٹارگٹ کلنگ میں اسرائیل بے دریغ اپنی فضائی قوت کو استعمال کر رہا ہے اور فلسطینی رہنماؤں کو چن چن کر نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ نہایت رنج اور صدمے کی بات یہ ہے کہ اسرائیل کی اس کھلم کھلا دہشت گردی اور غنڈہ گردی کے خلاف تا حال اقوام عالم کی جانب سے کوئی قابل ذکر ردعمل سامنے نہیں آیا۔

وہ نام نہاد ''عالمی ضمیر'' جو افغانستان میں بت شکنی کے چند واقعات پر تڑپ تڑپ اٹھا تھا' فلسطینی مسلمانوں پر اسرائیل کی وحشیانہ بربریت پر سکون کی نیند سو رہا ہے۔ امریکہ جو حقوق انسانی کا ٹھیکیدار بنا پھرتا ہے' مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کے ہاتھوں حقوق انسانی کی بدترین پامالی کو پوری ڈھٹائی کے ساتھ تحفظ فراہم کر رہا ہے۔ ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کا محاورہ تو بچپن سے سنتے آئے ہیں لیکن اس کا اس درجے ننگا مظاہرہ چشم فلک نے آج تک نہ دیکھا ہوگا۔ امریکہ اور دیگر عالمی طاقتیں نہایت بے شرمی کے ساتھ دُہرے معیارات اپنائے ہوئے ہیں۔ افغانستان میں طالبان کی حکومت ملک کے نوّے فیصد سے زائد رقبے پر قائم ہے' وہ خطہ جہاں مسلسل بیس سال تک فضا میں گولیوں کی تڑتڑاہٹ اور توپوں کی گھن گرج کا راج رہا' طالبان کی حکمت عملی اور حسن تدبیر کے نتیجے میں اسلحہ سے مکمل طور پر پاک ہو چکا ہے' وہاں امن و امان کا راج ہے' عدل و انصاف کی عمل داری ہے لیکن امریکہ اور اس کی حلیف مغربی طاقتیں جن کی شہ رگ دراصل پنجۂ یہود میں ہے' اسے دہشت گرد قرار دینے پر تلی ہوئی ہیں' جبکہ اسرائیل کی عریاں دہشت گردی اور کھلم کھلا غنڈہ گردی پر ان کے احساسات میں ارتعاش تک پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی بے اصولی سی بے اصولی ہے!!

لیکن فلسطینی مسلمان اپنی مظلومیت پر داد فریاد کریں تو کس سے کریں؟ اسرائیل تو ان کو ''دشنام' نالہ' ہاؤ ہو'' ہی سے نہیں فریاد کرنے کے حق سے بھی محروم کرنے پر تلا ہوا ہے۔ عالمی طاقتیں اس وقت خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہی ہیں بلکہ ان میں سے اکثر اسرائیل کی پشت پناہ ہیں۔ ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ مسلمان ممالک بھی ''تک تک دیدم دم نہ کشیدم'' کی تصویر بنے بیٹھے ہیں۔ مسلمان حکمرانوں کی جانب سے ان واقعات پر سرسری سا احتجاجی بیان تو آ جاتا ہے لیکن اسرائیل کے خلاف متحد ہو کر کوئی موثر قدم اٹھانے کی آج تک انہیں توفیق ہوئی ہے نہ اس کی جرأت و ہمت وہ اپنے اندر پاتے ہیں۔ اسرائیل ایک خوفناک اژدھے کی مانند نہتے فلسطینی مسلمانوں کو اپنے شکنجے میں کسنے کے بعد اپنے شکار کو نگلنے کی تیاری میں مصروف ہے۔ مسلمانانِ عالم کھلی آنکھوں سے اپنے فلسطینی بھائیوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنتے اور بتدریج موت کے منہ میں جاتا دیکھ رہے ہیں لیکن لاچاری اور بے بسی کی تصویر بنے ہوئے ہیں ۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات!

خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بالکل صحیح فرمایا تھا کہ ''ہم وہ قوم ہیں کہ جنہیں اللہ نے اسلام کی بدولت عزت و طاقت بخشی ہے''۔ مسلمان جب تک اللہ اور رسول ﷺ کا وفادار اور دین اسلام پر پورے خلوص کے ساتھ عمل پیرا رہے وہ دنیا میں بھی باعزت و سربلند رہتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ بے وفائی اور دین کے ساتھ غداری کا وہی نتیجہ نکلتا ہے جو آج ہمارے سامنے ہے۔ جب تک ہم اپنے آپ کو نہیں بدلیں گے حالات میں کسی بہتری کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں!

خلوص کے ساتھ آخرت کے لئے کی گئی محنت رائیگاں نہیں جائے گی

انسان اپنی جلد باز طبیعت کے باعث آخرت پر اس لامحدود اور عارضی دنیا کو ترجیح دے بیٹھتا ہے

حالات کی بہتری کی امید پر ہم نے ہمیشہ امریکہ کی کاسہ لیسی کی مگر ہماری معاشی بدحالی اور لاچاری ختم نہیں ہوئی

سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے اور دوسرے رکوع کے مضامین کا خلاصہ

مسجد دارالسلام باغ جناح' لاہور میں نائب امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید کا ۲۴ ستمبر کا خطاب جمعہ

تلاوت آیات اور ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا:

ہم نے پچھلے جمعہ سے سورۃ بنی اسرائیل کا مطالعہ شروع کیا ہے۔ دوسرے رکوع کے مطالعہ سے پہلے مناسب ہوگا کہ سورہ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع پر ایک نگاہ بازگشت ڈال لی جائے تا کہ اس رکوع کے مضامین مستحضر ہو جائیں۔

<u>پہلے رکوع کے مضامین کا خلاصہ:</u>

پہلے رکوع کا آغاز نہایت پُر جلال انداز میں واقعہ معراج سے ہوا۔ حضور ﷺ کے اس مبارک سفر کے پہلے حصہ کا یہاں تذکرہ ہے جو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک ہوا۔ مسجد اقصیٰ چونکہ قبلہ اور مرکز ہے اہل کتاب کا۔ اہل کتاب میں نمایاں ترین تو یہود ہیں' اس کے بعد عیسائی ہیں۔ وہ دونوں اس کو اپنا قبلہ اور اپنا مقدس ترین مقام مانتے ہیں۔ لہٰذا اس واقعہ معراج کے فوراً بعد ذکر شروع ہو گیا یہود (بنی اسرائیل) اور ان کی تاریخ کا۔ حضور ﷺ کے دور تک عروج اور زوال کے جو ادوار ان پر آئے ان کا ذکر اتنی جامعیت سے ہے کہ گویا سمندر کو کوزے کے اندر بند کر دیا گیا ہو۔ دراصل حضور ﷺ کی بعثت تک بنی اسرائیل میں زوال کے دو بڑے بڑے دور آئے تھے یعنی ان پر دو بار اللہ تعالیٰ کے عذاب کے کوڑے برسے۔ ان پر پہلا بڑا عذاب چھٹی قبل مسیح میں آیا تھا۔ اگرچہ پہلے زوال کا آغاز تو نویں صدی میں سلطنت اسرائیل پر اشوریوں کے حملوں سے ہو گیا تھا۔ تاہم چھٹی صدی قبل مسیح میں عراق کے بادشاہ بخت نصر نے حملہ کیا اور یہودیوں کی دوسری ریاست یہودیہ جس میں یروشلم (بیت المقدس) واقع تھا اسے تباہ و برباد کر دیا۔ یہ گویا کہ ان کے پہلے زوال کا نقطہ عروج تھا۔ پھر اس کے بعد تقریباً ڈیڑھ سو سال تک تو وہ عراق میں اسیری کی حالت میں رہے' پھر سائرس (کیخورس) نے عراق پر حملہ کیا جو ایران کا بادشاہ تھا۔ اس نے عراق کو فتح کیا اور وہاں لاکھوں کی تعداد میں قید یہودیوں کو رہا کیا۔ وہ دوبارہ فلسطین واپس آئے جہاں حضرت عزیر علیہ السلام کی احیائی' تجدیدی اور اصلاحی مساعی سے پھر ایک مرتبہ اس مردہ قوم میں جان پڑ گئی اور پھر مکابی سلطنت کے نام سے ان کی ایک عظیم سلطنت وجود میں آ گئی۔ یہ گویا ان کا دورِ عروج تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی ولادت سے کوئی ڈیڑھ سو سال قبل ان پر زوال کا دوسرا دور شروع ہوا اور رومیوں نے ان پر حملہ کیا اور یہ رومیوں کے زیرنگیں آ گئے۔ اس دوران حضرت مسیحؑ کی بعثت ہوئی لیکن اس قوم نے حضرت مسیح علیہ السلام کا انکار کر دیا اور انہیں جادوگر مرتد اور واجب القتل قرار دیا اور انہیں اپنے بس پڑتے سولی پر چڑھا دیا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو بچا لیا لیکن انہوں نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس کے بعد ستر عیسوی میں دوسری مرتبہ ان پر سخت ترین عذاب کا کوڑا برسا اور رومن جنرل ٹائٹس نے یروشلم پر حملہ کیا اور ایک مرتبہ پھر اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ بیت المقدس کی بنیادیں تک کھود دی گئیں اور ہل چلا دیئے گئے۔ یہودی انہی بنیادوں کی تلاش آج کل کر رہے ہیں اور خدشہ ہے کہ وہ کسی وقت مسجد اقصیٰ کو منہدم کر کے انہی پرانی بنیادوں پر ہیکل سلیمانی تعمیر کریں گے۔ یہ ان کا اس وقت کا اہم ترین ایجنڈا ہے۔ بہرحال حضور ﷺ کی بعثت سے قبل ستر عیسوی میں یعنی آپ کی ولادت سے تقریباً پانچ سو برس پہلے' یہ وہاں سے دوبارہ بے دخل ہوئے۔ لاکھوں یہودی قتل ہوئے اور جو باقی بچے وہ دنیا میں پھیل گئے اور ارض مقدس میں ان کا داخلہ بند کر دیا گیا۔ ان کا یہ دور "ڈایا سپورا" کا زمانہ کہلاتا ہے۔ اس عرصے میں کوئی ایران چلا گیا' کچھ یہودی ایشیا کی طرف نکل گئے۔ کچھ یورپ کی طرف چلے گئے۔ اسی طرح یہود کے تین قبائل مدینہ میں آ کر آباد ہو گئے تھے کیونکہ انہیں امید تھی کہ آخری نبی کی بعثت کھجوروں کی سرزمین میں ہونی ہے۔ لیکن انہیں یہ ہرگز گمان نہیں تھا کہ وہ آخری رسول بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسماعیل میں مبعوث ہوگا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ ہم میں سے ہی کوئی آخری نبی اٹھے گا جو اللہ کا نمائندہ ہوگا۔ ان کے اس گمان کی وجہ یہ تھی کہ حضرت اسحاقؑ کے بعد سے اڑھائی ہزار سال تک نبوت اور رسالت انہی میں آ رہی تھی۔ حضرت اسماعیلؑ کے بعد کوئی نبی' کوئی رسول بنی اسماعیل کی شاخ میں نہیں آیا۔ بہرکیف جب انہوں نے دیکھا کہ آخری نبی بنو اسماعیل میں سے ہیں تو وہ حسد اور تکبر کی آگ میں جلنے لگے۔ اسی حسد اور تکبر کی وجہ سے انہوں نے قرآن اور آخری رسول کا انکار کیا۔ علماء بنی اسرائیل خوب جانتے تھے کہ آپ ہی وہ نبی اور آخری رسول ہیں کہ جن کی پیشین گوئیاں ہماری کتابوں میں ہیں' اس کے باوجود انہوں نے انکار کیا۔ دراصل یہی طرز عمل ابلیسیت ہے جو تکبر' حسد' غرور اور گھمنڈ کا مظہر ہے چنانچہ سورہ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں کہا گیا کہ تم پر بڑے بڑے عذاب کے کوڑے برس چکے ہیں' لیکن اب بھی اگر تم اللہ کے دامن رحمت میں آنا چاہتے ہو تو ایک موقع ہے اور وہ یہ کہ قرآن کو مانو' اس پر ایمان لاؤ اور ہماری نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کرو۔ ہوسکتا ہے کہ تم پر تمہارا رب رحم فرمائے اور پھر اگر تم نے وہی چال بازیاں کیں اور دین سے غداری سے کی' تو ہم بھی یہی کچھ کریں گے یعنی جیسے عذاب کے کوڑے پہلے برسے آئندہ بھی برسیں گے۔

یہ تھا مضمون پہلے رکوع کا اور اب آیئے دوسرا رکوع شروع کرتے ہیں:

دوسرا رکوع:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"انسان برائی کے لئے ایسے ہی دعا کرتا ہے جیسے بھلائی کے لئے (کرنا چاہئے) دراصل انسان بڑا جلد باز واقع ہوا ہے"۔ (آیت:۱۱)

قرآن تو دعوت دے رہا ہے کہ آؤ سیدھے راستے کی طرف' اسی میں تمہاری فلاح ہے اور نجات ہے۔ لیکن انسان اس سے آنکھیں بند کر کے دنیا کا طلب گار ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کی نفسانی خواہشات جائز و ناجائز کسی طریقے سے پوری ہو جائیں۔ اس کے لئے دعائیں بھی کی جا رہی ہیں۔ اس آیت کا خاص پس منظر یہ ہے کہ مشرکین عرب جنہیں حضور ﷺ کو دعوت دیتے ہوئے اب بارہ تیرہ برس ہو چکے تھے ان کا مطالبہ یہ تھا کہ اب وہ عذاب آ جائے کہ جس کی دھمکی تم سناتے ہو۔ سورۃ الانفال میں ان کی دعا نقل ہوئی ہے۔ "اے پروردگار اگر واقعی یہ حق ہے جو محمد ﷺ کہہ رہے ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دے"۔ ان کے اسی طرز عمل کی اس آیت میں نشاندہی کی گئی ہے کہ انسان خود ہی شر کا طلب گار ہے اور تباہی و ہلاکت کو اس طرح دعوت دے رہا ہے جس طرح اسے خیر کے لئے دعا کرنی چاہئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی سرشت میں عجلت ہے۔ قرآن کی اصل دعوت تو یہ ہے کہ آخرت کے لئے محنت کرو۔ اصل زندگی تو وہ ہے' یہ تو امتحانی وقفہ ہے۔ یہ دنیاوی زندگی انتہائی لامحدود' ناپائیدار' غیر یقینی اور عارضی زندگی ہے۔ جبکہ وہ ابدی زندگی اس سے کہیں اعلیٰ و برتر ہے لیکن انسان اس کو نظر انداز کر کے اپنی جلد بازی کی وجہ سے اس نقد کا طلب گار کہ جو ناپائیدار ہے کہ ۔

اب تو آرام سے گزرتی ہے آخرت کی خبر خدا جانے

اللہ ہمیں اس منفی طرز عمل سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آگے فرمایا:

"ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنا دیا۔ رات کی نشانی کو ہم نے تاریک بنایا اور دن کی نشانی کو روشن' تا کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کر سکو اور اس لئے بھی کہ تم ماہ و سال کا حساب کر سکو اور ہم نے ہر چیز کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے"۔ (آیت:۱۲)

اللہ تعالیٰ کے مظاہر قدرت پر ایک نظر ڈالئے۔ رات اور دن واقعتاً دو عظیم نشانیاں ہیں چونکہ ہمارا معمول ہے کہ رات اور دن تبدیل ہوتے ہیں لہٰذا ہمیں ان کی اہمیت کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔ لیکن ذرا غور کریں کہ اللہ کا بنایا ہوا یہ نظام کس قدر جامع ہے۔ انسانی زندگی کو آرام کی ضرورت ہے' اس کے لئے رات کا وقت ہے۔ دن کا وقت کام کاج کے لئے ہے۔ اگر رات کو نہ سوئیں تو ظاہر بات ہے کہ اگلے دن تھکان ہو گی۔ جن لوگوں کو بے خوابی کی شکایت ہے ان سے پوچھئے ان پر کیا گزرتی ہے۔ رات کو سونے سے انسان کی توانائی بحال ہوتی ہے۔ پھر صبح اٹھتا ہے تو ہشاش بشاش ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نظام کیا خوب بنایا ہے پھر اسی دن رات کی تبدیلی سے ماہ و سال کا حساب لگانا آسان ہو جاتا ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا:

"اور ہم نے ہر انسان کا نصیبہ (اعمال نامہ) اس کے گلے میں لٹکا رکھا ہے۔ جسے ہم قیامت کے دن ایک کتاب کی صورت میں نکالیں گے لیں اور وہ اس کتاب کو کھلی ہوئی دیکھے گا"۔ (آیت:۱۳)

اصل میں نصیب اور قسمت کا معاملہ باہر سے نہیں ہے بلکہ ہر انسان کا نصیبہ اللہ نے اس کی گردن پر چپکا دیا ہے یعنی انسان کا عمل اس کی قسمت معین کرے گا کہ وہ خوش نصیبوں میں ہو گا یا بدبختوں میں ہو گا۔ اسے کہیں خارج میں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں وہ تو اعمال نامہ ہے جس سے معلوم ہو گا کہ کون شخص بدقسمت ہے اور کون خوش قسمت ہے۔ اگلی آیت میں میدان حشر کا نقشہ کھینچا گیا ہے' فرمایا:

"(کہا جائے گا) کہ پڑھو اپنا اعمال نامہ' آج تو خود اپنا حساب کرنے کو کافی ہے"۔ (آیت:۱۴)

لیکن پڑھے گا کون؟ جسے معلوم ہو گا کہ میں نے آخرت کو اپنا مطلوب و مقصود بنایا تھا وہ بڑے شوق سے پڑھے گا اور جسے معلوم ہو گا کہ میں نے آخرت کے لئے تو کچھ کیا ہی نہیں ساری محنت' ساری بھاگ دوڑ' سارا ہدف دنیا ہی کو بنایا تھا وہ ہرگز اسے پڑھنا نہیں چاہے گا بلکہ دیکھنا بھی نہیں چاہے گا۔ گویا آج اپنا حساب لینے کے لئے وہ خود ہی کافی ہو گا باہر سے کسی جج یا منصف کو معین کرنے کی بالکل ضرورت نہیں کیونکہ اسے خود معلوم ہے کہ اس نے کیا کیا؟ آگے فرمایا:

"جس شخص نے ہدایت قبول کی تو فائدہ اسی کو ہے اور جو گمراہ ہوا تو اس کا بار بھی اسی پر ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور ہم اس وقت تک عذاب نہیں دیا کرتے جب تک اپنا رسول نہ بھیج دیں"۔ (آیت:۱۵)

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے کان کھولے جا رہے ہیں کہ جب کوئی راہ ہدایت اختیار کرتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدے کے لئے ایسا کرتا ہے۔ اگر صراط مستقیم پر رہنے کی وجہ سے وہ کچھ ایثار کر رہا ہے تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اس نے اللہ پر کچھ احسان کیا ہے بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا چاہئے کہ اللہ نے اسے توفیق دی ہے کہ وہ سیدھے راستے پر چلے۔ اگر اس نے غلط راستے کو اختیار کیا ہے تو اس کا وبال خود اس پر آئے گا اور اس دن کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔ دنیا میں تو انسان پر کوئی زیادہ بوجھ آ جائے وہ کسی کی مدد لے لیتا ہے۔ وہاں اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔ وہاں تو نفسا نفسی کا عالم ہو گا' ہر شخص کو اپنے گناہوں کی گٹھڑی خود ہی اٹھانا ہو گی۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ کسی قوم کو آخری شدید ترین عذاب میں مبتلا نہیں کیا جاتا جب تک کہ کسی رسول کو نہ بھیج دیا جائے۔ یعنی عذاب ہلاکت دنیا میں کسی قوم پر اس وقت تک نہیں آتا جب تک اللہ تعالیٰ پہلے کسی رسول کو بھیج کر اس کے ذریعے اتمام حجت نہ کر دے۔ آگے فرمایا:

"جب ہم کسی بستی کی ہلاکت کا ارادہ کر لیتے ہیں تو وہاں کے عیش پرستوں کو حکم دیتے ہیں تو وہ اس میں بدکرداریاں کرنے لگتے ہیں اور جب اس بستی پر عذاب کی بات صادق آ جاتی ہے تو ہم اسے برباد کر دیتے ہیں۔ نوحؑ کے بعد ہم نے کتنی قومیں ہی ہلاک کیں اور آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار رہنے اور دیکھنے کو کافی ہے"۔

(آیت ۱۶۔۱۷)

جب اللہ کی طرف سے کسی قوم پر عذاب کا فیصلہ ہوتا ہے تو پھر اللہ کا ایک خاص طریقہ کار ہے۔ وہ یہ کہ وہاں کے خوشحال اور سرمایہ دار طبقے کو کھلی چھوٹ دے دی جاتی ہے اور پھر وہ اس بستی میں فسق و فجور اور گناہوں کا بازار گرم کر دیتے ہیں۔ جب کوئی شخص دیکھتا ہے کہ میں گناہ کی طرف بڑھ رہا ہوں اور اللہ کی طرف سے کوئی پکڑ بھی نہیں آ رہی۔ دنیاوی اعتبار سے اور زیادہ مالدار ہو گیا ہوں' اولاد بھی ہے۔ تکلیفیں تو سچے مسلمانوں پر آ رہی ہیں۔ یہ چیز ان کی ہمتیں بڑھاتی ہے اور وہ گناہوں میں زیادہ جری ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان پر بات پوری ہو جاتی ہے اور اللہ کا قانون عذاب ان پر لازم ہو جاتا ہے......اب آگے بہت اہم مضمون آ رہا ہے' فرمایا:

"جو کوئی طالب بنتا ہے عاجلہ کا (دنیا کا) تو ہم جس شخص کو جتنی دنیا دینا چاہیں تو اسے یہیں دے دیتے ہیں لیکن ہم نے جہنم اس کے مقدر میں کر دی ہے جس میں وہ بدحال و دھتکارا ہوا داخل ہو گا"۔

(آیت:۱۸)

کوئی شخص دنیا کا طلب گار بن جاتا ہے اور دنیا کے پیچھے ہلکان ہو رہا ہے تو ضروری نہیں کہ جو چاہے ساری دنیا اس کو مل جائے' یہ بھی اختیار اللہ کا ہے۔ جتنا چاہے گا' دے گا اور جس کے لئے چاہے گا اس کو دے گا۔ لیکن ایسے شخص کا ٹھکانہ جہنم ہے' وہاں ذلت و رسوائی اس کا مقدر ہو گی۔ آگے فرمایا:

"اور جو کوئی ارادہ کر لے آخرت کا اور اس کے لئے کوشش بھی کرے اور وہ مومن ہو تو ایسے لوگوں کی

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

مسئلہ کشمیر اور بھارتی حکومت کی بدحواسیاں

تجزیہ نگار کے نقطۂ نظر سے ادارہ کا کامل اتفاق ضروری نہیں

ابو الحسن

انقلاب فرانس کے بعد جمہوریت نے عالمی سطح پر پیش قدمی شروع کر دی تھی جبکہ ملوکیت اور نوآبادیاتی نظام نے پسپائی اختیار کر لی۔ بیسویں صدی کے وسط تک نوآبادیاتی نظام کا مکمل خاتمہ ہو چکا تھا اور ملوکیت بعض ممالک تک محدود ہو رہ گئی۔ لیکن ان ممالک میں سے بھی اکثر میں بادشاہ کو علامتی سی آئینی حیثیت حاصل ہے اور اختیارات نام کی کوئی شے ان کے پاس نہیں۔ نوآبادیاتی نظام کا مکمل خاتمہ ہو گیا لیکن بعض ممالک میں ملوکیت یا آمریت کسی نہ کسی انداز میں قائم ہے اور وہاں کی عوام نے اسے چاہے

کشمیر کا مسئلہ حل ہونے سے جنوبی ایشیا کا علاقہ ترقی اور خوش حالی کی جانب گامزن ہو جائے گا

ناگواری ہی سے لیکن قبول کیا ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں یہ احساس ہے کہ بادشاہ یا آمر جو کچھ بھی ہے بہرحال ان کا ہم وطن' ہم قوم اور اکثر و بیشتر ہم مذہب ہے۔ یہی وہ سادہ سا نکتہ ہے جو دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت بھارت کی بوڑھی قیادت کو اکیسویں صدی میں بھی سمجھ نہیں آ رہا اور وہ مشرف کو بار بار سوال کر رہی ہے کہ آپ کشمیر کے عوام کے حقوق کی بات کرتے ہیں جبکہ آپ خود اپنی عوام کی رائے لئے بغیر ان پر مسلط ہو گئے ہیں۔

کشمیر کا مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ اسے حق رائے دہی سے محروم رکھا گیا ہے اور غیر ملکی ہندو فوج اسے زبردستی ہندوستان کا حصہ بنانا چاہتی ہے جبکہ وہ اس ہندوستان کا حصہ نہیں بننا چاہتا جس کی اکثریتی آبادی غیر مذہب سے تعلق رکھتی ہے۔ پھر یہ کہ کشمیر اور بھارت کی سرحدوں کا ملاپ بھی مصنوعی اور ناجائز ہے۔ اگر تقسیم ہند میں طے شدہ اصول کے برعکس مسلمانوں کی اکثریت رکھنے والے ضلع گورداسپور کو زبردستی بھارت میں ضم نہ کیا جاتا تو بھارت اور کشمیر میں کوئی زمینی رابطہ ہی وجود میں نہ آتا۔ پاکستانی اور کشمیری ہم مذہب ہیں اسی لئے وادی میں ہندو فوج کی موجودگی میں دن رات ''پاکستان سے رشتہ کیا لا الٰہ الا اللہ'' کے نعرے گونجتے رہتے ہیں۔ پاکستان اور کشمیر کے مابین ۷۵۰ کلومیٹر لمبی مشترکہ سرحد ہے۔ کشمیر کا باقی دنیا کے ساتھ رابطہ بھی پاکستان کے ذریعے ممکن ہے اور بقول کشمیری لیڈر علی گیلانی' راولپنڈی سے چلنے والی ہوائیں کشمیر پہنچتی ہیں۔ یہ ہے کشمیر اور پاکستان کے عوام میں جغرافیائی' مذہبی' ثقافتی اور جذباتی تعلق جسے سات لاکھ بھارتی فوج اپنے تمام تر ظلم کے باوجود ختم نہیں کر سکی اور اب تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ کشمیر کی کٹھ پتلی حکومت کے سربراہ فاروق عبد اللہ بھارتی حکومت سے علیحدگی کے بہانے ڈھونڈ رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کشمیریوں نے بھارتی تسلط کو اگرچہ پہلے روز سے تسلیم نہیں کیا تھا لیکن گزشتہ بارہ سال سے چلنے والی آزادی کی تحریک نے بھارتی فوج کو زچ کر دیا ہے اور وہ بار بار اپنی حکومت کو مسئلے کا سیاسی حل نکالنے پر زور دے رہی ہے لیکن موجودہ سیاسی حکومت جس نے پاکستان دشمنی کے نعرے لگا کر اور آزاد کشمیر کو واپس حاصل کرنے کا دعویٰ کر کے ووٹ حاصل کئے تھے نئی صورت حال سے بدحواس ہو گئی ہے۔ واجپائی جو ایک کہنہ مشق اور زیرک سیاست دان سمجھے جاتے ہیں کشمیر کے بارے میں ہر روز نیا موقف اختیار

بھارت کو کشمیریوں کی نہیں' صرف کشمیر کی ضرورت ہے

کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ کشمیر ہمارا اندرونی مسئلہ ہے اور ہم پاکستان سے اس مسئلہ پر کسی قیمت پر گفتگو نہیں کریں گے البتہ آل پارٹیز حریت کانفرنس والے ہمارے اپنے لوگ ہیں' ہم ان سے بات کریں گے۔ لیکن جب حزب المجاہدین نے جنگ بندی کا اعلان کیا تو گفت و شنید کرنے کی بجائے کشمیری لیڈروں میں تفرقہ ڈالنے میں سارا زور صرف کر دیا اور حزب المجاہدین کی پیشکش سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ اور جب حزب المجاہدین نے جنگ بندی ختم کی تو خود یک طرفہ طور پر جنگ بندی کا اعلان کر دیا لیکن ساتھ ساتھ پاکستان کی طرف سے مذاکرات کی دعوت کو حقارت اور رعونت سے ٹھکراتے رہے۔ پھر اچانک پاکستان سے مذاکرات کا اعلان کر دیا اور حریت کانفرنس کو مذاکرات میں شامل کرنے پر مصر ہو گئے اور جنگ بندی ختم کرنے کا بھی اعلان کر دیا۔

آگرہ مذاکرات کے بعد واجپائی کے بیانات کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مترادف ہیں

آگرہ سمٹ میں واجپائی کی حالت دیدنی تھی اور اس پر بہترین تبصرہ انہوں نے یہ کہہ کر خود ہی کر دیا کہ میرے نصیب ہی برے تھے کہ میں مشرف جیسے مہمان کو مدعو کر بیٹھا۔ آئندہ پاکستان سے مذاکرات بغیر ایجنڈے کے نہیں ہوں گے اور یہ کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔ وہ اس دوران صدر مشرف کو بے نقط سناتے رہے۔ کبھی کہتے اسے تو سفارتی آداب نہیں آتے کبھی کوئی الزام دھرتے اور کبھی تو صاف معلوم ہوتا کہ کھسیانی بلی کھمبا نوچ رہی ہے۔ آگرہ سمٹ کے بعد بھارتی فوج کو کشمیر میں تازہ کمک پہنچائی گئی اور بھارت نے ایک ماہ میں کشمیریوں پر ظلم کے وہ پہاڑ توڑے جس کی مثال کم از کم موجودہ دور میں نہیں ملتی۔ ستم بالائے ستم یہ کہ فوج کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر پرسش سے بھی آزاد کر دیا گیا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ بھارت اب عملی طور پر اس فارمولا کو اپنائے ہوئے ہے کہ اسے کشمیریوں کی نہیں کشمیر کی ضرورت ہے۔ لیکن جب مجاہدین نے حوصلہ ہارنے کی بجائے ترکی بہ ترکی جواب دیا

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

دینی جماعتوں کو الیکشن پالیٹکس سے دستبردار ہو جانا چاہیئے

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا 24 اگست کے نوائے وقت میں شائع ہونے والا انٹرویو

نوائے وقت: آپ نے اپنی عمر عزیز کا بڑا حصہ اس ملک میں اسلامی شریعت کے نفاذ کی جدوجہد میں صرف کر دیا۔ کیا آپ کو امید ہے کہ آپ اس ملک میں اپنی آنکھوں سے اللہ کے قانون کو نافذ ہوتے دیکھ سکیں گے؟ اگر نہیں دیکھ سکیں گے تو اس کی وجوہ کیا ہیں؟

ڈاکٹر اسرار احمد: میں اپنی آنکھوں سے شائد اس ملک میں اللہ کے قوانین کا نفاذ نہ دیکھ سکوں لیکن مجھے اس سے زیادہ دلچسپی بھی نہیں ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ اسے ہونا چاہئے اور یہ ہوگا۔ اس کا مجھے یقین ہے البتہ ٹائم فریم اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے۔ وہ خود فیصلہ کرتا ہے کہ کس وقت کون سا کام مناسب ہے۔ اس لئے ان شاء اللہ تعالیٰ پاکستان میں اسلامی نظام کا قیام ہوگا اور پاکستان اور افغانستان سے ان شاء اللہ تعالیٰ ایک عالمی نظام خلافت کا آغاز ہوگا۔ اس کی صریح پیشین گوئیاں احادیث میں موجود ہیں۔ قرآن مجید میں تو تین مقامات پر آنحضرت ﷺ کی بعثت کا مقصد غلبہ دین کو قرار

قائداعظم نے اپنی متعدد تقاریر میں پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کی خواہش کا اظہار کیا تھا

دیا گیا ہے۔ پانچ مرتبہ قرآن مجید میں یہ آیا ہے کہ حضور ﷺ پورے عالم کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ گویا آپؐ کی آمد کا مقصد اسی وقت پورا ہوگا جب کل عالم پر آپؐ کا لایا ہوا دین غالب ہو جائے۔ قرآن میں تو یہ کبریٰ صغریٰ ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اس زمین پر نہ کوئی اینٹ اور گارے کا بنا ہوا گھر رہے گا اور نہ کمبلوں کا بنا ہوا کوئی خیمہ رہے گا جس میں اللہ کلمہ اسلام کو داخل نہ کر دے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ اللہ نے میرے لئے ساری زمین کو لپیٹ دیا اور میں نے اس کے سارے مشارق بھی دیکھ لئے اور سارے مغارب بھی دیکھ لئے اور میری امت کی حکومت اس پورے روئے ارض پر قائم ہوگی، جس کے مشارق و مغارب اللہ نے مجھے دکھا دیئے۔ تو یہ ہو کر رہے گا اور اس کا نقطہ آغاز کسی ایک ہی جگہ سے ہوگا۔ جیسے حضور ﷺ کے دست مبارک سے یہ نظام جزیرہ نمائے عرب میں قائم ہوا۔ پھر خلافت راشدہ کے دوران یہ پھیلا۔ دریائے آکسس سے لے کر اٹلانٹک تک چلا گیا۔ پھر عبداللہ ابن سبا کا کردار جس نے مسلمانوں کو آپس میں لڑا دیا اور حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت ہوئی۔ پھر ساڑھے چار سال خانہ جنگی رہی۔ ایک لاکھ مسلمان ایک دوسرے کی تلواروں سے ختم ہوئے۔ پھر مسلمانوں کا زور ٹوٹ گیا ورنہ ع تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا۔ خارج میں کوئی طاقت ایسی نہیں رہی تھی جو اسلام کو پھیلنے سے روک سکتی۔ داخلی سبوتاژ نے اس تحریک کو نقصان پہنچایا۔ اب اسلام کی اشاعت کا آغاز ان شاء اللہ پاکستان سے ہوگا۔

نوائے وقت: لیکن اس مبارک پیشین گوئی کا آپ عرصہ متعین نہیں کر سکتے؟

ڈاکٹر اسرار احمد: وقت بتانا مشکل ہے لیکن میرے خیال میں اب یہ بہت زیادہ بعید نہیں ہے۔ میں یہ بات کئی سال پہلے کہہ چکا ہوں کہ حضرت مہدی کا ظہور بھی قریب ہی ہے۔ اور حضرت مہدی کا ایک تصور تو اہل تشیع کا ہے کہ وہ ان کے بارہویں امام ہیں۔ ساڑھے گیارہ، بارہ سو برس سے روپوش ہیں، امام غائب ہیں، پھر وہ ظاہر ہوں گے۔ ایک تصور ہمارا اہل سنت کا ہے کہ وہ ایک مجدد ہیں، جیسے اور مجدد ہیں، مثلاً حضرت مجدد الف ثانی ہیں، شاہ ولی اللہ دہلوی ہیں، سید احمد شہید ہیں اسی طرح وہ بھی ایک مجدد ہوں گے اور میرا گمان یہ ہے کہ پندرہویں صدی کے مجدد امام مہدی ہوں گے اور ان کے ہاتھوں عرب میں ایک صحیح اسلامی حکومت قائم ہوگی۔ لیکن احادیث میں آتا ہے کہ ان کی حکومت قائم کرنے کے لئے فوجیں ایک ایسے علاقے سے آئیں گی جو عرب کے مشرق میں واقع ہوگا۔ اس میں پاکستان، افغانستان اور ایران آتے ہیں۔ لیکن گمان غالب یہ ہے کہ پاکستان اور افغانستان ہی سے اس کا آغاز ہوگا۔

نوائے وقت: پاکستان کا قیام اسلام کے نام پر ہوا، پاکستان کے عوام مسلمان ہیں اور شریعت کا نفاذ چاہتے ہیں، پاکستان میں بہت سی جماعتیں اور تنظیمیں بھی ایسی ہیں جو اسلامی نظام کے نفاذ کی طلب گار ہیں ایک آدھ فوجی حکومت بھی ایسی آئی جو اسلامی نظام نافذ کرنا چاہتی تھی لیکن اس کے باوجود وہ کون سی رکاوٹیں ہیں جو اس ملک میں شریعت اسلامیہ کے نظام میں مزاحم ہیں؟

ڈاکٹر اسرار احمد: اس ملک میں شریعت اسلامی کے نفاذ میں مزاحم وہ طبقہ ہے جو انگریزی دور میں انگریزی تعلیم یافتہ ہو کر وجود میں آیا۔ لارڈ میکالے کے الفاظ میں چمڑی کے اعتبار سے تو وہ مشرقی ہوں گے لیکن ذہن اور سوچ کے اعتبار سے وہ یورپین بن جائیں گے۔ پاکستان میں اقتدار اسی طبقے کے ہاتھ میں رہا ہے اور ان سے یہ توقع نہیں تھی کہ یہاں وہ اسلام نافذ کریں گے۔ ہمارا ایلیٹ طبقہ سب کا سب ویسا ہی تھا چاہے وہ آرمی کا ہو یا سول بیوروکریسی کا۔ ان کی تربیت برطانوی روایت کے تحت ہوئی تھی۔ لیکن اس میں ہمالیائی غلطی جس نے کی ہے وہ مذہبی جماعتیں ہیں۔ انہوں نے

شریعت اسلامی کے نفاذ میں مزاحم وہ طبقہ ہے جو رنگت کے اعتبار سے مشرقی لیکن ذہنی طور پر مغربی ہے

الیکشن کا راستہ اختیار کیا۔ حالانکہ یہ کام مطالباتی سیاست کی سطح پر ہونا چاہئے تھا جیسے مولانا مودودی نے ۱۹۴۸ء میں مطالبہ کیا تھا کہ یہ ملک چونکہ اسلام کے نام پر بنا تھا لہٰذا اس کا دستور اسلامی ہونا چاہئے اور پہلے یہ چیزیں طے ہونی چاہئیں۔ انہوں نے اسی بنیاد پر مہم چلائی اور سب لوگوں نے ان کا ساتھ دیا۔ مسلم لیگیوں نے بھی ساتھ دیا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے اسمبلی کے اندر اس مہم کی حمایت کی۔ چنانچہ قرارداد مقاصد منظور ہوگئی۔ حالانکہ یہ معجزہ تھا۔ پوری دنیا میں سوشلزم کا ڈنکا بج رہا تھا اور پاکستان کے عوام یہ کہہ رہے تھے ہم اللہ کی حاکمیت مانتے ہیں، عوام کی حاکمیت نہیں مانتے۔ عوام کے پاس جو بھی اختیارات ہیں وہ اللہ کی عطا

کردہ مقدس امانت ہیں۔ چنانچہ قرارداد مقاصد کے ذریعے اسلامی نظام کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا۔ لیکن اس کے بعد بدقسمتی سے مولانا مودودی نے پنجاب کے الیکشن میں حصہ لیا۔ اب وہ ایک پارٹی بن گئے اور پارٹی سیاست میں آ گئے۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں دوسری جماعتیں آپ کیسے تائید کریں گی۔ یہ بہت بڑی غلطی ہوئی مولانا مودودی سے ۱۹۵۱ء میں۔ اس کے بعد تمام جماعتیں اسی راستے پر چلتی گئیں۔ اس میں جے یو آئی' جے یو پی بھی شامل ہیں۔

نوائے وقت: مولانا مودودی کا نقطہ نظر یہ تھا کہ ہم انتخابی سیاست کے میدان کو غلط کار لوگوں کے لئے کیسے خالی چھوڑ دیں اور اس صورت میں تبدیلی اور اصلاح کا کام کیسے ہوگا۔

ڈاکٹر اسرار احمد: میدان خالی تو پھر بھی رہا اس لئے کہ فیصلہ کن طاقت تو ان لوگوں کو کبھی حاصل ہو ہی نہیں سکی۔ پندرہ بیس اراکین سے زیادہ اسمبلیوں میں ان کے اراکین کبھی آ ہی نہیں سکے۔ کچھ جے یو پی کے' کچھ جے یو آئی کے

> **ماضی کے تجربات سے ثابت ہو گیا ہے کہ بیلٹ کے ذریعے اسلامی انقلاب برپا نہیں ہو سکتا**

اور کچھ جماعت اسلامی۔ ان کی حیثیت فیصلہ کن تو کبھی بھی نہیں ہو سکی۔ لیکن نعم البدل کیا تھا؟ وہ تھا مطالبہ مظاہراتی جدوجہد "یہ کرو' یہ کرو" کی تکرار۔ اس پر سارے مسلمان متحد ہو گئے۔ پاور سیاست نے ان کو تقسیم کر دیا۔ ہمارا آدمی کیوں نہ آئے' ہمارا آدمی کیوں نہ آئے۔ اس کی رٹ لگ گئی' جیسے ختم نبوت کی تحریک تھی۔ ۱۹۵۳ء میں ایک دفعہ ناکام ہو گئی۔ ۱۹۷۴ء میں کامیاب ہو گئی۔ اتنی بڑی بات ہو گئی کہ قادیانیوں کو حکومت کی سطح پر اقلیت قرار دے دیا گیا۔ کس طرح ہوا؟ ایک مہم چلی' مظاہرے ہوئے' مطالبے ہوئے اور پرامن ہوئے۔ ایوب خان نے فیملی آرڈیننس نافذ کیا۔ سب نے کہا کہ غیر اسلامی ہے۔ دیوبندی' بریلوی' شیعہ علماء اور جماعت اسلامی سب نے بیک زبان ہو کر کہا کہ یہ شریعت کے خلاف ہے۔ لیکن اس کے خلاف مہم نہیں چلائی چنانچہ وہ آرڈیننس قانون بن گیا۔ ضیاء الحق گیارہ برس تک اسلام اسلام کا نعرہ لگاتے رہے لیکن وہ قانون موجود رہا بلکہ فیڈرل شریعت کورٹ بنائی تو اس کورٹ کے ہاتھ میں دو بیڑیاں پہنائیں۔ ان میں ایک بیڑی یہ تھی کہ آپ عائلی قانون کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں دے سکتے' دوسری یہ کہ مالی قوانین کے بارے میں آپ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ دس سال کے بعد وہ بیڑی کٹ گئی۔ لہٰذا فیڈرل شریعت کورٹ نے سود کے بارے میں فیصلہ دے دیا کہ یہ حرام ہے۔ لیکن عائلی قانون تو ایک مستقل بیڑی ہے۔ آج بھی فیڈرل شریعت کورٹ عائلی قانون کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں دے سکتی۔ ایران میں کیا ہوا؟ کیا ایران میں الیکشن کے ذریعے آیت اللہ خمینی قیامت تک برسر اقتدار آ سکتے تھے؟ سنی ملکوں میں جہاں بھی بیلٹ کا راستہ ناکام ہوا تو وہاں بلٹ سنبھال لیا۔ یہ اس سے بھی زیادہ احمقانہ راستہ ہے۔ الجزائر اور مصر وغیرہ میں یہی ہوا کہ وہاں بلٹ سنبھال لیا گیا اور اس کا نقصان ہوا۔ بیلٹ اور بلٹ کے علاوہ ایک تیسرا راستہ ہے جو ایرانیوں نے اختیار کیا ہے۔ انہوں نے گولی نہیں چلائی' بیس ہزار سے تیس ہزار افراد نے اپنی جانیں دے دیں' یہاں تک کہ شاہ کو بھاگنا پڑا اور فوج کو سرنڈر کرنا پڑا۔

نوائے وقت: آج آپ کو پاکستان میں ایسے حالات نظر آ رہے ہیں کہ کوئی ایک پارٹی اسلامی انقلاب لا سکے یا ساری اسلامی پارٹیاں مل کر اس انقلاب کا راستہ ہموار کر سکتی ہیں؟

ڈاکٹر اسرار احمد: میں عرصہ دراز سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ دینی جماعتیں پاور پالیٹکس اور الیکشن سیاست سے علیحدگی اختیار کریں اور مل کر ایک محاذ بنائیں اور نفاذ شریعت کا مطالبہ کریں اور اس مطالبہ کو تسلیم کرانے کے لئے اپنی پوری قوت کا استعمال کریں۔ سودی معیشت کے خلاف مظاہرے کریں' جیسے ضیاء الحق کے دور کے پچاس ہزار شیعوں نے اسلام آباد میں سیکرٹریٹ کو گھیر لیا تھا اور کہا تھا کہ ہم زکوۃ نہیں دیں گے اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی ناک رگڑوا دی۔ حالانکہ اس وقت مارشل لاء بوڑھا نہیں ہوا تھا۔ یہ ۱۹۸۰ء کا واقعہ ہے اور ضیاء الحق صاحب ۱۹۷۷ء میں آئے تھے۔ اسی طرح کے مطالبے کئے جائیں۔ سود کے معاملے کو دیکھئے۔ ۱۹۹۱ء میں سود کے خلاف فیڈرل شریعت کورٹ نے فیصلہ دیا۔ اب ۲۰۰۱ء ہے' دس برس ہو چکے ہیں' پھر سپریم کورٹ کا بھی سود کے خلاف فیصلہ آ گیا۔ حالانکہ اس وقت نواز شریف کی حکومت تھی اور اس نے کہا تھا کہ میں اس کے خلاف اپیل نہیں کروں گا لیکن پھر اس نے اپنا وعدہ جھوٹا ثابت کیا اور اپیل دائر کر دی۔ آٹھ سال تو اپیل میں لگ گئے اور شریعت اپیلٹ بینچ بنایا ہی نہیں جو اپیل سن سکے۔ اس کے بعد بڑی مشکل سے شریعت اپیلٹ بینچ بنا۔ اس نے بھی فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے کی توثیق کر دی' لیکن ٹائم دے دیا کہ اتنے عرصے کے اندر اندر نافذ کیا جائے۔ اب ایک سال کی توسیع کی گئی ہے۔ لیکن اگر دینی جماعتیں حکومت کے گرد گھیرا ڈالیں' دھرنا دے کر بیٹھ جائیں تو حکومت کو بھی سود کی ممانعت کے بارے میں سوچنا پڑے گا۔ میری تجویز یہ ہے کہ دینی جماعتیں الیکشن پالیٹکس اور پاور پالیٹکس سے دستبردار ہوں اور ایک پریشر گروپ اور مظاہراتی اور مطالباتی کردار اختیار کریں۔ اگر یہ نہیں کرتے تو پھر کسی جماعت کو یہ بیڑہ لے کر اٹھ کھڑے ہونا چاہئے لیکن اس جماعت کو بڑا ہونا چاہئے۔ میں ایک ایسی جماعت بنانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ابھی مجھے Response بہت کم ملا ہے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت میں یہ کام میرے ہاتھوں ہونا لکھا ہے تو ہو سکتا ہے اس کے راستے نکل آئیں۔ میں نے اس مشن کا بیڑہ اٹھایا اور اسی میں اپنی زندگی کھپائی ہے اور اپنی آخری عمر تک اس کے لئے جدوجہد کرتا رہوں گا۔ لیکن اگر دینی جماعتوں کے دل میں یہ خیال آ جائے اور وہ اسی مقصد کے لئے متحد ہو جائیں تو کام آسان ہو جائے گا۔ اب ضلعی اور بلدیاتی انتخابات میں دیکھئے ساری دینی جماعتوں نے اس کے اندر خوب ہاتھ دھوئے ہیں' سوائے فضل الرحمٰن کی جے یو آئی کے۔ پاور پالیٹکس کے لئے خوب جوڑ توڑ کر رہی ہیں۔ ایک جگہ ایک پارٹی سے اتحاد کیا ہوا ہے اور دوسری جگہ اسی پارٹی کے خلاف الیکشن لڑنے کی تیاریاں ہیں۔ جے یو آئی کے بارے میں مجھے اندازہ نہیں ہے کہ انہوں نے ان الیکشن کا بائیکاٹ تو کیا

> **مذہبی جماعتوں کو انتخابی سیاست کے بجائے مطالباتی سیاست کرنی چاہئے**

ہے لیکن ان کے پاس متبادل کوئی پروگرام ہے یا نہیں۔ ہم ایک پارٹی بنانے کی کوشش کریں گے جو ان ہی خطوط پر کام کرے جن کا میں نے ابھی ذکر کیا۔

نوائے وقت: آپ کی جماعت ہو یا جماعت اسلامی ہو' ان میں ایک کمی یہ نظر آتی ہے کہ یہ بنیادی طور پر شہروں کی پارٹیاں ہیں جو پڑھی لکھی مڈل کلاس کو اپنا مخاطب بناتی ہیں۔ ان پارٹیوں کے عوامی رابطے نہیں ہیں۔ جو عوام دیہاتوں میں کروڑوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں ان سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ شہروں کے پسماندہ علاقوں میں ان کا کوئی کام نہیں' تو ظاہر ہے ماس کنٹیکٹ نہ ہونے کی صورت میں انقلاب کیسے آ سکتا ہے؟

ڈاکٹر اسرار احمد: دیکھئے انقلاب کا فلسفہ یہ ہے کہ وہ کبھی دیہات سے نہیں آتا' شہروں سے آتا ہے اور مڈل کلاس سے آتا ہے۔ پڑھے لکھوں سے آتا ہے۔ البتہ ایک فائنل سٹیج ہوتی ہے جس میں وہ عوام کو موبلائز کر لیتے ہیں' لیکن پہلے جو جماعت بنتی ہے وہ شہروں میں بنتی ہے اور شہریوں ہی میں کام کرتی ہے۔ ہاں انتخابی عمل میں وہ چیز فیصلہ کن ہو جاتی ہے کیونکہ ووٹ پورے عوام کا ہوتا ہے اور اس میں وڈیرے رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ قبائلی سردار' خوانین اور وڈیرے بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کی طاقت کو کوئی توڑ نہیں سکتا۔ الیکشن پالیٹکس میں یہ پارٹیاں اسی لئے ناکام ہو جاتی ہیں۔ لیکن جب بھی یہ مطالباتی تحریک چلاتے ہیں تو انہیں کامیابی

نصیب ہو جاتی ہے۔ بھٹو کو گرانے میں سب سے اہم کردار مذہبی جماعتوں نے ادا کیا تھا۔ پی این اے کے اندر اگر مذہبی جماعتیں نہ ہوتیں تو پیر پگاڑا' ولی خان اور اصغر خان کے کہنے پر کوئی گولی کھانے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ پی این اے کا مطلب پاکستان نیشنل الائنس۔ اس میں اسلام وغیرہ کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔ لیکن جب قربانی مانگنے کا وقت آیا تو اس تحریک کو نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی تحریک قرار دیا گیا۔ تو اصل میں مطالباتی تحریک کے لحاظ سے مذہبی جماعتیں بہت طاقت رکھتی ہیں۔ سٹریٹ پاور ان کے پاس ہے' مساجد ان کے پاس ہیں' ہر جمعے میں ان کا جلسہ ہوتا ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ اس لئے انقلاب لانے کے لئے یہ جماعتیں الیکشن کے راستے سے موثر نہیں ہو سکتی ہیں بلکہ وہ ایک تحریک کے ذریعے ہی موثر ہو سکتی ہیں۔ اللہ کے دین کے نفاذ کے لئے ایک عام آدمی گریبان کھول کر گولی کھانے کے لئے تیار ہو سکتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے ۱۹۵۳ء کی تحریک میں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ لاہور میں جلوس آرہا ہے' پولیس گولی چلا رہی ہے' لوگ گرتے ہیں اور پیچھے سے آنے والے گریبان کھول کر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ اور چلاؤ گولی۔ آپریشن تھیٹر میں پتہ چلا کہ مرنے والوں میں دو سگے بھائی تھے۔ ایک پہلی صف میں تھا اور دوسرا پچھلی صف میں۔ لوگوں نے گریبان کھول کر گولیاں کھائیں' حالانکہ نہ وہ نمازی تھے اور نہ روزے دار تھے۔ بلکہ جن کو ہم کہتے ہیں غنڈے وہ ان میں تھے۔ اللہ اور رسول ﷺ کے نام پر انہوں نے اپنے سینے کھول دیئے۔

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

لیکن مسجد کی حرمت پر یہ کٹ مرنے والے ہیں۔ کان پور میں کتنے لوگوں نے گولیاں کھائی تھیں۔ اس حوالے سے ان جماعتوں کا صحیح راستہ یہ ہے کہ یہ الیکشن کے طریقے کو چھوڑیں اور دین کے نفاذ کیلئے لوگوں کو میدان میں لے کر آئیں۔

نوائے وقت: ایک طبقہ ایسا ہے جو کہتا ہے کہ پاکستان مسلمانوں کا ملک تو ہے لیکن یہ اس لئے قائم نہیں کیا گیا تھا کہ یہاں اسلامی نظام نافذ ہو اور اس سلسلے میں وہ قائد اعظم کی گیارہ اگست کی تقریر سے دلیل لاتے ہیں جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ اب آپ آزاد ہیں' مسجدوں اور مندروں میں جانے کے لئے۔ اس تقریر کے حوالے سے یہ دلیل لانا کس حد تک درست ہے؟

ڈاکٹر اسرار احمد: یہ بہت بڑا مغالطہ ہے' دھوکا ہے' فریب ہے۔ قائد اعظم کی ایک تقریر کو لے کر دس سال کے اندر ان کی پچاسوں تقریروں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ مسجدوں اور مندروں میں جانے سے اسلام بھی نہیں روکتا۔ اسلامی نظام ہندوؤں کو مندروں میں جانے سے تو نہیں روکے گا' نہ سکھوں کو گردوارے میں جانے سے روکے گا۔ وہ ان کا پرسنل قانون ہے۔ لہٰذا اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ قائد اعظم اسلام کا نفاذ نہیں چاہتے تھے' یہ غلط ہے البتہ اس تقریر میں ایک جملہ ایسا ہے کہ مذہب ہر شخص کا ذاتی معاملہ ہے۔ اس میں کچھ اشتباہ پیدا ہوتا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ ان کی پچاس تقریریں ایسی ہیں جس میں انہوں نے پاکستان میں قرآن وسنت کی روشنی میں قانون سازی کو منزل قرار دیا ہے۔ تو ہم ان پچاس تقریروں کی وجہ سے اس ایک جملے کی تردید کریں گے یا اس ایک جملے کی بنیاد پر ان پچاس تقریروں کو رد کریں گے اور سب سے آخری بات یہ کہ پروفیسر ریاض علی شاہ ہوتے تھے ٹی بی سپیشلسٹ' جب میں میڈیکل کالج میں پڑھتا تھا تو وہ استاد ہوتے تھے۔ انہیں قائد اعظم کی بیماری کے دوران زیارت میں بلایا گیا تھا۔ پروفیسر ریاض علی شاہ نے لکھا ہے کہ قائد اعظم اتنے نحیف ہو گئے تھے کہ ہم نے ان پر گفتگو کرنے پر پابندی لگائی ہوئی تھی۔ ایک روز میں ان کے قریب بیٹھا ہوا تھا تو میں نے محسوس کیا کہ وہ بار بار کچھ کہنا چاہتے ہیں لیکن رک جاتے ہیں کیونکہ بات کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ میں نے سوچا کہ اگر وہ کچھ کہنا چاہتے ہیں اور نہ کہہ سکے تو بات ان کے دل میں رہ جائے گی اور اس کا الٹا اثر ہوگا تو میں نے ان سے کہا کہ قائد اعظم آپ جو کچھ فرمانا چاہتے ہیں مختصر الفاظ میں فرما دیں۔ اس وقت انہوں نے کہا کہ تمہیں اندازہ نہیں ہو سکتا کہ مجھے کس قدر اطمینان ہے کہ پاکستان قائم ہو گیا اور یہ کام میں تنہا نہیں کر سکتا تھا' اگر رسول خدا ﷺ کی روحانی تائید شامل حال نہ ہوتی۔ اب یہ یہاں کے مسلمانوں کا کام ہے کہ اس ملک میں خلافت راشدہ کا نظام قائم کریں۔ یہ ان کے آخری الفاظ ہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ یہاں اسلامی نظام قائم ہو لیکن یہ نہیں چاہتے تھے کہ اسلام کا ڈھنڈورا پیٹ کر پوری دنیا کو دشمن بنا لیا جائے۔ جب ایک ملک بن گیا جس میں ۸۰ فیصد مسلمان ہیں تو اس اکثریت کی رائے کی بناء پر اسلامی قانون سازی ہو سکتی ہے' تو ہم ڈنکا بجا کر دنیا کو مخالفت میں متحد کیوں کریں۔ جیسے آج افغانستان کے خلاف ساری دنیا متحد ہے۔

(جاری ہے)

ناموں مرے نام

ندائے خلافت (۲۳ تا ۲۹ اگست) کا اداریہ ''مسلمانوں پر عالم کفر کی یلغار'' بہت ہی برمحل ہے' اگرچہ روئے سخن ''ملت اسلامیہ کی تمام قیادت'' کی طرف ہے تاہم یہ بات کھل کر دینی و مذہبی قیادتوں سے کہنی چاہئے جن کا اوڑھنا بچھونا اسلام ہے' کہ وہ اپنا ''آج'' سنوارنے کے لئے پوری امت کا ''کل'' تباہ نہ کریں اور امریکی جارحانہ اقدامات کا نوٹس لیں۔ ملت اسلامیہ کی حکمران قیادتوں کا جہاں تک تعلق ہے انہوں نے کبھی بھی ''عالم کفر'' سے لاتعلقی کی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔ لہٰذا ان سے کوئی ''گلہ'' یا ''توقع'' نہیں ہونا چاہئے۔

والسلام

ابن صالح' لاہور

○ تصوف کے چشمۂ صافی کو کیسے ایک جوہڑ بنا دیا گیا؟
○ ارباب تصوف روافض اور سبائیوں کی دسیسہ کاریوں سے کیوں آگاہ نہ ہو سکے؟
○ تصوف کے اصول ومبادی کو کتاب وسنت کی کسوٹی پر پرکھنا کیوں چھوڑ دیا گیا؟
○ خانقاہیں ایزد پرستی کی درس گاہوں کے بجائے شخصیت پرستی کا مرکز کیسے بن گئیں؟

ان سب سوالوں کے جواب اور تصوف کی تاریخ کے حقیقت پسندانہ اور بے لاگ تجزیے کے لئے

پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم کی معرکۃ الآرا کتاب

''اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش''

کا مطالعہ کیجیے!

نئی کمپیوٹر کمپوزنگ' دیدہ زیب ٹائٹل

صفحات: 124 قیمت: -/48

ملنے کا پتہ: **مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور**

غلبۂ دین حق کی مرحلہ وار جدوجہد (3)

(آغاز سے انجام تک)

تحریر: محمد یونس جنجوعہ

بنی اسرائیل اور موجودہ امت مسلمہ

بنی اسرائیل اللہ کے احکام کو تسلیم کرنے کے باوجود نافرمانی' سرکشی اور بغاوت کے مرتکب ہوئے تو عذاب الٰہی کے مستحق ہو کر ذلت اور غریب الوطنی کا نشانہ بنے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

"میری امت پر بھی وہ سارے حالات وارد ہوں گے جو بنی اسرائیل پر وارد ہوئے بالکل اس طرح جیسے ایک جوتی کا تلا دوسری جوتی کے بالکل مشابہ اور برابر ہوتا ہے۔"

یہ ایک پیش گوئی ہے لیکن تاریخ کا مطالعہ کرنے سے اس کی صداقت حد درجہ واضح ہو کر سامنے آتی ہے اور عبرت پذیری کے لئے اپنے اندر وافر تاثیر رکھتی ہے۔

امت مسلمہ کا پہلا دور عروج عربوں کے زیر قیادت آیا جو خلافت راشدہ پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد مسلمان حکومتیں قائم ہوئیں۔ دور زوال کا آغاز صلیبیوں کے ہاتھوں ہوا۔ 1099ء میں یروشلم چھن گیا اور لاکھوں مسلمان تہ تیغ کئے گئے۔ 1258ء میں فتنہ تاتار کے نتیجہ میں کروڑوں مسلمان قتل کر دیئے گئے اور ان کی عظیم مملکت تہ و بالا کر دی گئی۔ سانحہ سقوط بغداد پیش آیا۔ ذلت کی انتہا ہو گئی۔ اس کے بعد دوسرا دور عروج شروع ہوا۔ وہ یوں کہ جن لوگوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی رسوائی ہوئی ان کو ایمان کی دولت نصیب ہوئی۔ انہوں نے پرچم اسلام سنبھالا۔

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

سلطنت عثمانیہ پوری شان و شوکت اور آب و تاب کے ساتھ قائم ہوئی اور تادیر قائم رہی۔ مگر پھر تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا اور امت مسلمہ دین سے دور اور لہو و لعب اور عیش پرستی میں مشغول ہوتی گئی جس کے نتیجہ میں عذاب کا کوڑا ان کی پیٹھ پر برسا۔ شان و شوکت کی جگہ ذلت و نکبت نے لے لی اور مسلمان ولندیزی' انگریز اور اطالوی قوموں کے تسلط میں آ گئے۔ یہ سنت اللہ ہے جو پوری ہو رہی ہے۔ ﴿و ان عدتم عدنا﴾ (بنی اسرائیل: ۸) یعنی "اگر تم باز نہیں آؤ گے تو ہم تم کو سزا دیتے رہیں گے"۔ تو یوں امت مسلمہ کے حالات بنی اسرائیل کی کاربن کاپی دکھائی دیتے ہیں اور یہی خبر آنحضرت ﷺ نے مذکورہ بالا حدیث میں دی ہے۔

موجودہ صورت حال

اب مجموعی طور پر امت مسلمہ مغربی تسلط سے آزاد ہے۔ مسلم ممالک پر مسلمان حکمران ہیں۔ کہیں پارلیمانی' کہیں صدارتی' کہیں جمہوری اور کہیں عسکری نظام رائج ہے۔ اکثر اسلامی ریاستوں میں بادشاہت کا دور دورہ ہے۔ مسلمان حکمران اقتدار سے چمٹے ہوئے ہیں اور چمٹے رہنے کے لئے سر توڑ جدوجہد کر رہے ہیں۔ اسلامی نظام سیاست یعنی خلافت کہیں بھی نہ نظر آتی ہے اور نہ کہیں اس کے لئے مقتدر حضرات کی طرف سے سنجیدہ فکر موجود ہے۔ البتہ اسلامی ملکوں میں کہیں کہیں احیائے نظام خلافت کے لئے تحریکیں چل رہی ہیں مگر ان کی قلت قوت نمایاں ہے۔

یہ صورت حال اس لئے ہے کہ پوری امت بحیثیت مجموعی دین سے دور اور مادیت سے قریب تر ہو رہی ہے۔ اکثر عرب مسلم ممالک میں دولت کی فراوانی ہے جس نے باشندوں کو سہل انگار بنا دیا ہے۔ دفاع کے معاملہ میں بیشتر مسلم ممالک سراسر مغربی ممالک کے باج گزار ہیں۔ اسلامی دنیا معدنی وسائل سے مالا مال ہے مگر فنی علوم سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے ان قدرتی ذخائر سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھا سکتی' جس کے نتیجہ میں مغربی ماہرین کی خدمات خطیر مشاہرہ کے عوض مستعار لی جاتی ہیں۔ جدید سائنسی علوم و فنون سے ناواقف ہونے کی وجہ سے الیکٹرانک کا سامان' کمپیوٹر اور جدید سائنسی ایجادات مغربی ممالک سے درآمد کرنا پڑتی ہیں جس کی وجہ سے ملکی دولت باہر منتقل ہو رہی ہے۔

مسلم امہ کا اتحاد پارہ پارہ ہے۔ برسر اقتدار لوگ ہر قیمت پر اقتدار میں رہنا چاہتے ہیں۔ اتحاد میں تو قربانی دینا پڑتی ہے مگر یہاں تو حرص و ہوا نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ اپنے ملک پاکستان ہی کو لیجئے' جس کی بنیاد ہی نظام مصطفیٰ کے قیام پر رکھی گئی تھی۔ یہاں کے بیشتر حکمران ایسے گزرے ہیں کہ جنہیں پاکستان کے ساتھ کچھ بھی ہمدردی نہ تھی۔ انہوں نے ہر ذرائع سے دولت اکٹھی کی اور مغربی بنکوں میں جمع کرا دی۔ یورپ میں محلات تعمیر کئے اور ملک کو قرضوں کے بوجھ تلے دبا کر خود منطقی انجام سے دوچار ہوئے۔ یہاں کسی حکمران کو مسلم عوام کی حالت زار پر ترس نہیں آیا۔ اسلامی نظام کے قیام کے ساتھ کسی کو کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ سودی نظام کو نہ صرف اپنائے رکھا بلکہ اس کی جڑیں مضبوط کیں۔ بے حیائی اور عریانی کو فروغ دیا۔ عورت جو کبھی حیا کی علامت اور مستور ہوتی تھی اسے لعبہ محفل اور اشتہار کی زینت بنا دیا۔ اسے گھر کی چار دیواری کے قلعے سے نکال کر پُر مشقت کاموں پر لگا کر غیر محفوظ کر دیا۔ یہ طرز عمل مغرب کی اندھی نقالی میں اختیار کیا گیا جہاں عورت کی اس آزادی نے وہاں کا خاندانی نظام برباد کر دیا ہے۔

اس صورت حال میں جو لوگ پورے خلوص و اخلاص کے ساتھ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے کام کر رہے ہیں وہ بھی اپنے کندھوں سے ادائیگی فرض کا بوجھ اتار رہے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں باز پرس کے وقت سرخ رو ہو سکیں کہ انہوں نے اپنی استطاعت کے مطابق دین حق کے غلبہ کی جدوجہد کی ہے' کیونکہ حالات انتہائی حوصلہ شکن ہیں۔

(جاری ہے)

اسلامی قانون میں ارتداد کے مفہوم' اس کے موجبات اور اثرات و نتائج کو جاننے کے لئے

مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام حال ہی میں شائع ہونے والی نئی کتاب

اسلامی قانون ارتداد

کا مطالعہ کیجیے:

جسے قرآن وحدیث اور تمام فقہی مکاتیب کے احکام کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے

مؤلف: ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن

صفحات: 116 ...... قیمت: 48

ملنے کا پتہ: **مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور**

کاروان خلافت منزل بہ منزل

تنظیم اسلامی فرانس کے زیر اہتمام ''استحکام پاکستان'' کانفرنس

۱۴ اگست کا دن وطن سے دور رہنے والے پاکستانی بھی اسی ولولے سے مناتے ہیں جیسا کہ وطن کے باسی۔ اس سال بھی پاکستان کا یوم آزادی جوش وخروش سے منایا گیا اور اس روایت کو نبھانے میں پیرس میں مقیم پاکستانی کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ تنظیم اسلامی اپنے اصول وضوابط کے اعتبار سے ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ اسی حوالے سے تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام ''استحکام پاکستان کانفرنس'' کا انعقاد عمل میں لایا گیا۔ تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا جس کی سعادت جناب تنویر بٹ نے حاصل کی۔ راقم الحروف نے بارگاہ رسالت میں ہدیہ عقیدت پیش کیا جبکہ نوید صاحب نے کلام اقبال سنایا۔ پروگرام کا باقاعدہ آغاز پاکستانی سفارت خانہ کے نمائندے جناب خیام اکبر کے خطاب سے ہوا۔ اس کے بعد ختم نبوت کانفرنس کے مولانا فضل الرحمان درخواستی نے فرمایا کہ پاکستان کی جڑوں کو کمزور کرنے والی اصل قوت قادیانی گروپ ہے۔ حلقہ احباب (جماعت اسلامی) کے ڈاکٹر عبدالرحمان قریشی نے قیام پاکستان کے مقاصد بیان کئے اور فرمایا کہ اسلام ہی پاکستان کے استحکام کا حقیقی ضامن ہے۔ کانفرنس کے آخری مقرر تنظیم اسلامی یورپ کے امیر جناب ڈاکٹر عبدالسمیع تھے جو خاص طور پر اس پروگرام کے لئے لندن سے تشریف لائے تھے۔ انہوں نے پاکستان کی چون سالہ تاریخ کا مختصر مگر جامع تجزیہ پیش کیا اور بتایا کہ ہم سے کیا کیا خطائیں ہوئیں اور ان کی کیا سزا ہمیں ملی۔ مزید یہ کہ آئندہ ہمیں کیا لائحہ عمل اختیار کرنا پڑے گا۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض جناب طارق اسلم نے انجام دیئے۔ آخر میں تنظیم اسلامی فرانس کے امیر جناب حاجی اشرف سجاد نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

(رپورٹ: عاکف غنی)

اسرہ کھچی والا اور فورٹ عباس کی شب بسری

۱۰ اگست کو بعد نماز مغرب ڈگیاں والی مسجد فورٹ عباس میں ماہانہ شب بسری منعقد ہوئی۔ پروگرام کا آغاز تنظیم اسلامی بہاول نگر کے امیر جناب محمد منیر احمد کے درس قرآن سے ہوا جس کا موضوع ''جہاد فی سبیل اللہ'' تھا۔ اس ضمن میں سورہ توبہ کا دسواں رکوع تلاوت کیا گیا۔ جناب محمد منیر احمد نے اس بات کی وضاحت فرمائی کہ مومن جہاد فی سبیل اللہ کا اعلان ہونے پر فوراً لبیک کہتا ہے جبکہ منافق اس موقع پر پیچھے رہنے کی کوشش کرتا ہے۔

درس قرآن میں رفقاء کے علاوہ شہر کے دوسرے افراد نے بھی شرکت فرمائی جن کی تعداد تقریباً پچاس کے قریب تھی۔ عشاء کی نماز کے بعد شب بسری کے ناظم جناب محمد ذوالفقار نے درس حدیث دیا۔ اس کے بعد آرام کا وقفہ دیا گیا۔ صبح ۳ بجے ناظم پروگرام نے سب ساتھیوں کو جگا دیا۔ نماز تہجد ادا کرنے کے بعد ایمان مفصل اور دعائے قنوت یاد کی گئی اور سنائی بھی گئی۔ پھر فجر کی نماز کے بعد جناب محمد ذوالفقار نے درس قرآن دیا جو تقریباً ایک گھنٹہ جاری رہا۔ اس کے بعد ساتھیوں نے نماز اشراق ادا کی اور یوں یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ (رپورٹ: شکیل حسین)

گوجر خان میں درس قرآن

گوجر خان کے گاؤں مل اعوان میں ماہانہ درس قرآن ۱۶ اگست کو بعد نماز مغرب دیا گیا۔ تنظیم اسلامی گوجر خان کے امیر جناب مشتاق حسین نے سورۃ الحجرات کی آیات ۱۳ تا ۱۸ کو موضوع بنایا۔

سب سے پہلے گزشتہ ماہ ہونے والے درس قرآن کا اعادہ کیا گیا اور پھر تلاوت کی گئی آیات کا ترجمہ اور تشریح بیان کی گئی۔ امیر حلقہ نے کہا کہ قرآن پاک کی رو سے قبیلے اور برادری وغیرہ ہماری پہچان اور شناخت کے لئے بنائے گئے ہیں نہ کہ تفاخر کے لئے۔ صحیح معنوں میں مومن وہ ہوتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں شک وشبہ میں نہیں پڑتے اور اللہ کے راستے میں اپنی جان اور مال سے جہاد کرتے ہیں۔ ان آیات کی روشنی میں ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہئے۔ کیا ہم صرف قانونی مسلمان تو نہیں؟ کیا ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مکمل اطاعت کر رہے ہیں؟ کیا ہم اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں؟ ۷ ارکان تنظیم اور مقامی آبادی کے تقریباً ۲۰ افراد نے یہ درس سنا۔ (رپورٹ: مرتضیٰ شاہ)

یوم آزادی پر کراچی میں تنظیم اسلامی کا جلسۂ عام

تنظیم اسلامی کراچی کے ملتزم رفقاء کی خواہش کو مدنظر رکھتے ہوئے اور امراء تنظیم کے ساتھ مشاورت کے بعد یہ طے پایا کہ یوم آزادی کے حوالے سے ۱۴ اگست کی شام ایک ریلی منعقد کی جائے جس کا آغاز سبیل والی مسجد گرومندر سے جبکہ اختتام مزار قائد پر ہو۔ بینرز اور ہینڈ بلز کے ذریعے عوام میں آزادی کے تقاضوں اور ہماری موجودہ کیفیات کا شعور پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس کے علاوہ ۱۴ اگست کو یاسین آباد میں مجوزہ قرآن اکیڈمی کے پلاٹ پر ایک جلسۂ عام منعقد کیا جائے جس میں رفقاء محترم اختر ندیم، اعجاز لطیف اور انجینئر نوید احمد کی تقاریر ہوں۔

اس جلسۂ عام کا آغاز صبح دس بجے جناب اختر ندیم کے خطاب سے ہوا جس میں انہوں نے کہا کہ تحریک پاکستان کو اصل جذبہ محرکہ ''پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ'' کے نعرے نے فراہم کیا لیکن قیام پاکستان کے بعد اول دن ہی سے ہم نے اسلام سے انحراف کرتے ہوئے ایک عیسائی کو کمانڈر انچیف ایک ہندو کو وزیر قانون اور ایک قادیانی کو وزیر خارجہ بنا دیا اور یوں وطن عزیز میں اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے نفاذ کی ہر کوشش کو سبوتاژ کیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا عذاب بھی ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ جناب اعجاز لطیف نے کہا کہ اگرچہ موجودہ حالات خاصے مایوس کن ہیں تاہم مشیت ایزدی میں پاکستان کے قیام کا ایک خاص مقام ہے اور ان شاء اللہ احادیث نبویہ ﷺ کی پیشین گوئیوں کے مطابق پاکستان اور افغانستان کو عالمی خلافت کا نقطۂ آغاز بننا ہے۔ جناب انجینئر نوید احمد نے کہا کہ مملکت خداداد پاکستان میں اسلام نہ تو محض تبلیغ سے آئے گا اور نہ ہی انتخابی سیاست کے ذریعہ سے بلکہ اس کا نفاذ حضور اکرم ﷺ کے انقلابی طریقہ پر عمل کرنے سے ہوگا۔

جلسہ کے آغاز پر جناب عامر خان نے تلاوت کلام پاک سے لوگوں کو مسحور کیا جبکہ درمیان میں جناب جمال احمد نے علامہ اقبال کی مشہور نظم ''لا الٰہ الا اللہ'' بہت عمدگی سے سنا کر دلوں کو گرمایا۔ جناب شجاع الدین شیخ نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض بڑی عمدگی سے انجام دیئے۔ پہلی مرتبہ کراچی کے رفقاء کی عظیم اکثریت جلسہ میں موجود تھی۔ انجمن کی جانب سے مکتبہ لگانے کا بھی اہتمام تھا۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے اور ہمیں غلبۂ دین کی جدوجہد میں استقامت عطا فرمائے۔ آمین!

(رپورٹ: محمد سمیع)

فیصل آباد میں محفل درس قرآن

فیصل آباد کی تاج کالونی میں درس قرآن کا یہ ہفتہ وار پروگرام تقریباً ڈیڑھ سال سے جاری ہے۔ محترم جناب ڈاکٹر عبدالسمیع کے لندن تشریف لے جانے کے بعد رفقاء واحباب کے تعاون سے یہ سلسلہ باقاعدگی سے چل رہا ہے۔ حال ہی میں خواتین کے لئے بھی درس میں شمولیت کا اہتمام ہو گیا ہے۔ اب ہفتہ وار درس قرآن جناب محمد نعمان اصغر دے رہے ہیں۔ اوسط حاضری ۳۵ مرد اور ۳۰ خواتین ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس پروگرام کو مستقل طور پر چلانے اور اہتمام کرنے والوں کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین! (مرتب: ابوعبدالسمیع)

انتقال پُرملال

تنظیم اسلامی کے رفیق جناب محمود شاہ گیلانی کی خوش دامن گوجر خان میں وفات پا گئی ہیں۔ رفقاء واحباب سے درخواست ہے کہ مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔

تنظیم اسلامی اسرہ گونڈی کے نقیب جناب لائق سید کے ماموں بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں۔ تمام رفقاء واحباب سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

ناظم تربیت کا دعوتی پروگرام
برائے پنڈی گھیپ

تنظیم اسلامی پاکستان کے مرکزی ناظم تربیت جناب چوہدری رحمت اللہ بٹر کا دعوتی پروگرام ۵ اگست سے ۱۰ اگست تک جاری رہا۔ اس دورہ سے نہ صرف پنڈی گھیپ کے باسیوں کا ایمان تازہ ہوا بلکہ اسرہ کے رفقاء نے بھی اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

مختلف علاقوں سے آنے والے رفقاء حلقہ پنجاب (شمالی) کے مرکزی دفتر راولپنڈی میں جمع ہوئے اور وہاں سے ۵ اگست کو تقریباً ۱۱ بجے پنڈی گھیپ پہنچے۔ دعوتی پروگرام کے لئے تین دن بیرون پنڈی گھیپ جبکہ تین دن شہر کے لئے مختص کئے گئے تھے۔ یہ پروگرام درج ذیل ترتیب سے منعقد ہوئے۔

۵ اگست: ظہر کی نماز کے بعد مسجد اہل حدیث میں ناظم تربیت نے قرآن کی تعلیم کے حوالے سے ایک لیکچر دیا' جس میں تقریباً ۴۰ افراد شریک ہوئے۔ مسجد مصلیانوالی میں نماز ظہر کے بعد جناب خان محمد نے ایک لیکچر سے پروگرام کا آغاز کیا۔ اس میں بھی بیس سے زیادہ افراد شامل تھے۔ تقریباً چار بجے یہ قافلے آٹھ کلومیٹر دور واقع گاؤں دندی کے لئے روانہ ہوئے۔ عصر کی نماز یہاں کی تین مسجدوں میں گروپس کی شکل میں ادا کی گئی' جن میں رفقاء نے ایک ایک حدیث یا قرآنی آیت بیان کی اور شام کے پروگرام کا اعلان کیا۔ نماز مغرب کے بعد مدرسہ تعلیم القرآن میں ''بندگی رب کے تقاضے'' کے موضوع پر ناظم تربیت کا لیکچر شروع ہوا جو رات ۹ بجے تک جاری رہا۔ اس میں ۷۰ افراد شریک ہوئے۔ اس لیکچر کے بعد تین افراد نے تنظیم میں شمولیت کے لئے فارم مانگے۔ نماز عشاء پنڈی گھیپ پہنچ کر ادا کی گئی۔

۶ اگست: فجر کے بعد مسجد اہل حدیث میں اور مسجد مصلیانوالی میں ایک ایک حدیث بیان کی گئی۔ ''فرائض دینی کا جامع تصور'' کے موضوع پر جناب محمد اشرف نے صبح ۹ بجے سے ۱۱ بجے تک ایک مذاکرہ کرایا۔ نماز ظہر کے بعد درج بالا دو مسجدوں میں ایک ایک حدیث بیان کی گئی۔ تقریباً چار بجے اخلاص کے لئے روانہ ہوئے۔ پانچ مختلف مسجدوں میں گروپس کی شکل میں نماز ادا کی گئی۔ بعد ازاں پورے گاؤں میں دعوتی گشت ہوا۔ نماز عصر کے بعد ناظم تربیت نے مرکزی جامع مسجد میں لیکچر دیا' جس میں ۴۰ افراد شریک ہوئے۔ مغرب کے بعد ملک اختر علی خاں کی حویلی میں ''فرائض دینی کا جامع تصور'' پر لیکچر دیا گیا۔ اس میں ایک سو کے قریب افراد شریک ہوئے۔ نماز عشاء مقامی مسجد میں ادا کر کے یہ قافلہ رات دس بجے واپس پنڈی گھیپ پہنچا۔

۷ اگست: فجر کے بعد حسب معمول درج بالا دو مسجدوں میں احادیث کا درس دیا گیا۔ جناب محمد اشرف وصی نے ''جہاد فی سبیل اللہ'' پر مذاکرہ کرایا جو ۹ سے ۱۱ بجے تک رہا۔ ظہر کے بعد ان دو مساجد میں درس رہا۔ نماز عصر کے بعد موضع کھڑبہ میں جناب محمد اشرف وصی نے درس دیا۔ نماز عصر کے بعد دوسرے پروگرام میں جناب خان محمد نے درس دیا۔ اس پروگرام میں تیس افراد شریک ہوئے۔ نماز مغرب کے بعد ناظم تربیت نے سورۃ توبہ کی قتال والی آیات کے حوالے سے جہاد کا درس دیا۔ بعد ازاں سوال و جواب کی محفل ہوئی۔ اس درس میں ایک سو سے زائد افراد شریک ہوئے۔

۸ اگست: مرکزی دفتر فیض آباد سے آمدہ احکامات کے مطابق تین دن اندرون شہر کا دورہ تھا۔ نماز فجر کے بعد جناب خان محمد نے مسجد غلہ گھڑیاں میں ''عشق مصطفیٰ'' کے عنوان سے جامع درس دیا۔ ناظم تربیت نے حسب معمول مسجد اہل حدیث کا رخ کیا۔ جناب محمد اشرف وصی نے مسجد مصلیانوالی میں جناب خان محمد کی جگہ لی۔ ۹ بجے منہج انقلاب نبویؐ پر مذاکرہ ہوا۔ راقم کی کوششوں سے مقامی جناح ہال کو تین دن کے لئے بعد از نماز مغرب تا عشاء حاصل کر لیا گیا تھا۔ اس میں ۱۵۰ کرسیاں لگائی گئیں اور ہال کو مختلف بینرز سے مزین کیا گیا۔ جناب عبدالرحمٰن نے اس کے لئے جانی و مالی تعاون فرمایا۔ اس کی تشہیر کے لئے پورے شہر کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ پروگرام میں جناب محمد عارف نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض انجام دیئے۔ ناظم تربیت نے ''عبادت رب'' کے موضوع پر تقریر کی جو ۹ بجے تک جاری رہی۔ اس میں ۶۰ افراد نے شرکت کی۔

۹ اگست: نماز فجر کے بعد مدینہ مسجد میں جناب خان محمد نے درس دیا۔ اس میں ۶۰ سے زائد افراد شریک ہوئے۔ نماز عصر کے بعد مسجد لوہاراں میں جناب خان محمد کا درس ہوا جس میں ۴۵ افراد شریک ہوئے۔ نماز عصر کے بعد مسجد مائی سراں بانو میں ناظم تربیت نے درس دیا جس میں ۷۰ افراد شریک ہوئے۔ نماز مغرب کے بعد جناح ہال میں ''شہادت علی الناس'' کے موضوع پر ناظم تربیت کا تفصیلی درس ہوا جو ۹ بجے تک جاری رہا۔ اس میں ۸۰ افراد شریک ہوئے۔

۱۰ اگست: صبح ۸ بجے جماعت اسلامی کے مقامی اجتماع میں جناب چوہدری رحمت اللہ بٹر' جناب عبدالرحمان نوید اور جناب واثق رانا شریک ہوئے۔ مختلف موضوعات پر بحث ہوئی۔ ناظم تربیت نے جمعہ کے اجتماع میں ۴۵ منٹ کا خطبہ دیا اور بعد ازاں امامت کے فرائض بھی انجام دیئے۔ انہوں نے دین و مذہب کے فرق اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے گوشوں کو اجاگر کیا۔ اس موقع پر ۳۰۰ نمازیوں تک یہ پیغام پہنچا۔ نماز جمعہ کے دوسرے اجتماع بمقام مسجد مصلیانوالی میں جناب خان محمد نے انقلاب نبویؐ کے مراحل سمجھائے۔ اس میں نمازیوں کی تعداد ۲۵۰ سے متجاوز رہی۔ نماز مغرب کے بعد کمیٹی ہال میں ''اقامت دین'' کے عنوان سے ناظم تربیت کا خطاب ساڑھے آٹھ بجے تک جاری رہا۔ بعد ازاں سوال و جواب کی محفل ہوئی۔ اس پروگرام میں شرکاء کی تعداد ۱۳۰ کے قریب رہی۔ اس کے بعد فرداً فرداً تعارف کا مرحلہ آیا اور اس طرح رات ساڑھے گیارہ بجے یہ چھ روزہ پروگرام اختتام کو پہنچا۔

(رپورٹ: عبدالعزیز)

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

بقیہ: تجزیہ

اور فوجی ہیڈ کوارٹر کے علاوہ پولیس تھانوں پر فدائی حملے شروع کر دیئے تو واجپائی نے ایک بار پھر نیویارک میں مشرف سے ملاقات پر آمادگی ظاہر کر دی ہے لیکن انتہائی بچگانہ شرط عائد کر دی کہ مشرف نیویارک میں ملاقات کے لئے مجھے باضابطہ طور پر دعوت دیں۔ صدر مشرف نے مذاکرات کی باقاعدہ دعوت بھی دے دی ہے لیکن ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ مجھے ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کی پرواہ نہیں البتہ مذاکرات آگرہ میں ہوں' نیویارک یا اسلام آباد میں' کشمیر کو ترجیح اوّل حاصل ہو گی۔ بالفاظ دیگر صدر مشرف اپنے پہلے دن کے موقف پر ڈٹے ہوئے ہیں اور واجپائی قلابازیاں لگاتے لگاتے پھر مذاکرات کی میز پر پہنچ گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بھارت نے خواہ مخواہ کی ہٹ دھرمی سے جنوبی ایشیا کے امن کو داؤ پر لگایا ہوا ہے۔ اربوں روپے کا اسلحہ خود بھی بنا رہا ہے اور دنیا بھر سے درآمد بھی کر رہا ہے اور اپنے عوام کی حالت یہ ہے کہ ممبئی اور کولکتہ (کلکتہ) جیسے شہروں میں لاکھوں انسان سڑکوں اور فٹ پاتھ پر سوتے ہیں اور غربت سے کم درجے پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ پاکستان قرضوں کے بوجھ تلے سسک رہا ہے لیکن دفاع پر اپنی طاقت سے زائد خرچ کر رہا ہے کیونکہ اسے بھارت جیسے موقع پرست دشمن سے واسطہ ہے۔ اگر بھارت اس حقیقت کو تسلیم کر لے کہ آج کے دور میں ڈنڈے اور قوت کی بنیاد پر کسی دوسری قوم کو غلام نہیں بنایا جا سکتا تو اس سے خود اس کا ہی نہیں بلکہ بہتوں کا بھلا ہو جائے گا۔ جنوبی ایشیا سے ایٹمی جنگ کے بادل چھٹ جائیں گے اور دونوں حکومتیں اپنی عوام کی ترقی اور خوش حالی پر توجہ دے سکیں گی۔

بقیہ: منبر و محراب

کوشش کی قدر کی جائے گی''۔ (آیت: ۱۹)

آج ہم سب زبانی طور پر آخرت کو مطلوب و مقصود بنائے ہوئے ہیں۔ کم از کم ہم امیدوار تو ہیں کہ آخرت میں جنت ہمیں ملنی چاہئے کیونکہ ہم مسلمان ہیں۔ مسلمان ماں باپ کے ہاں پیدا ہو گئے تو جنت پر ہمارا حق ہے۔ لیکن فرمایا جا رہا ہے جو آخرت کا طلب گار ہے تو وہ اس کے لئے ایسی محنت کرے جیسی کہ اس کے شایان شان محنت ہونی چاہئے۔ اس پیمانے پر پورا اترنا بڑا مشکل ہے کیوں کہ دنیا کے لئے انسان جب بھاگ دوڑ کرتا ہے تو راتوں کو جاگتا ہے' اپنے آرام کی قربانی دیتا ہے' کیا کچھ نہیں کرتا۔ یہاں تو آدمی دس مرلے کے مکان کے حصول کے لئے کیا کچھ پاپڑ بیلتا ہے جبکہ جنت کی وسعت آسمانوں اور زمین پر محیط ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں کہ ''نچلے درجے کے جنتی اپنی

become totalitarian and the underpinnings of a normative tolerance are weakened. At the same time, religion is central to the life and social mores of Muslim societies. Any attempt to free us from religion will miserably fail at a great cost to the stability of the country.

Dear Br. Aakif Saeed,

Assalamu Alaikum,

I had just finished reading the article "Perils of Presumed Predisposition" in the latest Nida-e-Khilafat when musingly I started reading the boxed contents just below. What a surprise to know that author of that beautiful article has become my rafeeq in Jihad-Fee-Sabilillah.

Instantaneously with tears in my eyes I thanked Allah (swt) to blessing us with a person of such skill and competence.

I welcome Br. Abid Ullah Jan to Tanzeem-e-Islami. Since day one, when his articles started appearing in Nida-I-Khilafat, I wished him to be part and parcel of my caravan. All praises are to Allah (swt) for guiding him towards Tanzeem.Let this union be of mutual benefit. For him to be able to fulfill his personal responsibilities as devotee and for the benefit of Tanzeem/masses from his righteous wisdom and God-Given pen-power to disseminate it.

I wonder if he has telepathic power to read my mind and express it so eloquently. I love reading him.

Regards,

Muhammad Farooq Iqbal
Philadelphia, USA

* * * * * *

Respected Concerned person,

I don't visit Pakistan that often. I receive copies of Nida-e-khilafat in Kabul. While in Pakistan I thought to check the web site and download all Abid Ullah Jan's articles, but I found just one of these. I would be thankful if you could please give me Abid Ullah Jan's e.mail address so that I contact him for further articles. Also if you could please add his articles to your site, it would help other readers like me. Thanks.

M. Tariq.
Wazir Akbar Khan
Kabul

سے اوپر والے جنتیوں کو ایسے دیکھیں گے جیسے تم زمین سے اوپر آسمان پر ستارے دیکھتے ہو"۔ لہٰذا جنت کے حصول کے لئے اور آخرت کی کامیابی کے لئے' کیسی کچھ محنت ہونی چاہئے؟ اگرچہ اس تقاضے کو پورا کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ لیکن حوصلہ افزائی فرمائی گئی ہے کہ آخرت کے لئے اگر محنت کرو گے تو وہ ضائع نہیں جائے گی بس شرط یہ ہے کہ مطلوب و مقصود آخرت ہو اور یہ عمل صرف اللہ کے لئے ہو۔

آگے فرمایا:

"ہم ہر طرح کے لوگوں کی مدد کرتے ہیں یہ ہوں یا وہ
اور یہ آپؐ کے رب کا عطیہ ہے جو کسی پر بند نہیں۔
دیکھو ہم نے کیسے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے
اور آخرت کے درجات اور فضیلت بھی بڑی ہوگی"۔

(آیت ۲۰۔۲۱)

اگرچہ آخرت میں کامیاب وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے آخرت کو اپنا مطلوب و مقصود بنایا تھا لیکن دنیا میں اللہ نے اپنی نعمتوں کا دسترخوان وسیع کر رکھا ہے۔ یہ نہیں کہ جو شخص کفر کرے اس پر رزق کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ اسی طرح دنیا میں اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت بھی دے رکھی ہے۔ کسی کو جسمانی قوت زیادہ دے دی۔ کسی کو حیثیت میں بڑا بنا دیا ہے۔ کسی کو مال زیادہ دیا۔ تاہم درجوں کے اعتبار سے آخرت کی فضیلت کہیں زیادہ ہوگی۔

اب یہاں پر آخری اور اصولی بات آ رہی ہے' فرمایا:

"اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ سمجھ بیٹھنا ورنہ تم
بدحال اور بے یار و مددگار بیٹھے رہ جاؤ گے"۔

(آیت:۲۲)

کسی کے پاس کوئی طاقت' کوئی اختیار نہیں اور کوئی بندگی کے لائق نہیں' سوائے اللہ کے۔ لیکن دنیا کی خواہش میں کبھی تو انسان دولت کو معبود بنا بیٹھتا ہے۔ کبھی اپنے نفس کو اپنا معبود بنا لیتا ہے یعنی نفس کی طرف سے جو خواہش آ جائے' جو حکم آئے' اس کو پورا کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہے۔ تاہم جو اللہ کے سوا کسی کو اپنا مددگار سمجھتا ہے بدحالی اور لاچاری اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

اس آیہ مبارکہ کے آئینے میں اگر ہم مسلمانانِ پاکستان اپنا جائزہ لیں تو دیکھیں گے کہ ہم بھی اللہ کو چھوڑ کر آج امریکہ' یو این او اور آئی ایم ایف کے سہارے کے متلاشی ہیں۔ ہماری اب تک یہی کوشش ہے کہ ان کی support ہمیں مل جائے۔ ہم اللہ کی خوشنودی کے بجائے ان کی خوشنودی کے جویا ہیں۔ حالات کی بہتری کی امید پر ہم نے ہمیشہ امریکہ کی کاسہ لیسی کی مگر ہمارا حال گواہ ہے کہ ہماری معاشی بدحالی اور لاچاری ختم نہیں ہوئی۔ اگر ہم نے اللہ کو اپنا حامی و مددگار سمجھا ہوتا اور امریکی مفادات کے بجائے دین کے تقاضوں کو ترجیح دی ہوتی تو اللہ کی مدد کے بل بوتے پر ہم آج نہ صرف اپنے پیروں پر کھڑے ہوتے بلکہ دوسروں کی رہبری کا فریضہ سرانجام دے رہے ہوتے۔ OO

قارئین ندائے خلافت کی توجہ کے لئے!

جیسا کہ آپ کے علم میں ہوگا کہ حکومت پاکستان نے کچھ عرصہ قبل ڈاک کے اخراجات میں غیر معمولی اضافہ کر دیا جس کے باعث جرائد کی ترسیل کے اخراجات میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ اندرون ملک اور بیرون ملک شائع ہونے والے تمام جرائد اپنے سالانہ زرتعاون میں اضافہ پر مجبور ہو گئے۔ تاہم مرکزی انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام شائع ہونے والے جرائد کے سالانہ زرتعاون میں قارئین کی آسانی کے پیش نظر فوری اضافہ سے گریز کیا گیا۔ لیکن اب کافی غور و خوض اور مشاورت کے بعد فیصلہ کیا گیا ہے کہ اس بوجھ کو قارئین اور ادارہ مل کر اٹھائیں۔ چنانچہ آئندہ ہفت روزہ ندائے خلافت کا سالانہ زرتعاون حسب ذیل ہوگا:

اندرون ملک...... 250 روپے

یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ...... 1500 روپے

امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ...... 2200 روپے

امید ہے کہ قارئین اور رفقاء اس معمولی اضافہ کو ایک ناگزیر امر سمجھتے ہوئے قبول فرمائیں گے۔ (ادارہ)

challenge the state-imposed secularisation. Secularist regimes' abysmal records of economic and political development have furthered the revivalist movements. The absence of democratic means has led to colossal difficulties for the Islamic organisations. Since 1992, a traumatized Algeria has been locked in a civil war. Tunisia's Islamic movement, al-Nahda, has been banned from participating in politics. The heavy-handed policies of Egyptian President have yet to silence the Islamic opposition.

LIBERALISATION AND ISLAM

It is not modernisation in the Muslim world that has generated a visible upsurge in religious revivalism. It is only the American and its allies' forcing their will and double standards over the Muslim world that has created the problem. An emphatic rejection of the amoral rationalism of secular modernity is, undoubtedly, an aspect, but the main reasons are the continued western support of the Israeli aggression and repression in Palestine, Indian terrorism in Kashmir, Russian blood sport in Chechnya, continued sanction on Iraq, double standards in dealing with India and Pakistan, support of the repressive regimes like Algeria and crushing the Afghans' desire to rebuild their country.

John Esposito has observed: "the secularisation of processes and institutions did not easily translate into the secularisation of minds and culture. While a minority accepted and implemented a Western secular worldview, the majority of most Muslim populations did not internalise a secular outlook and values."(Esposito, *The Islamic Threat: Myth or Reality*?) Initially, secularisation was synonymous with the adoption of a code of law from a European country but it has now become an all out anti-religion war. Algeria and Iran adopted the French civil code; Pakistan conformed to the British civil code, and Turkey followed the Swiss civil code. To that extent, many in these countries regarded secularism as an indispensable element of the government system. Fortunately, the Iranian Revolution of 1979 challenged the assumption and unfortunately secularism turned into an anti-Islam crusade after the demise of Soviet Union.

In Pakistan, the present government's moves to bring about secularisation under the label of anti-terrorism campaign would certainly backfire. According to S.V.R. Nasr, Islamic parties in Pakistan have benefited immensely from a democratic system that allows them political participation. Such a participation has averted radicalisation of Islamic movements, and has also effectively restricted them to a small niche in the electoral arena: "They can influence state policy but are not in a position to launch a successful bid for power," (*"Islamic Opposition in the Political Process: Lessons from Pakistan,"* in Esposito, ed., *Political Islam: Revolution, Radicalism, or Reform*?, 135-36; see esp. 154). The recent moves by the government would shatter this illusion of the "small niche." Of course, religious parties have been restricted to limited number of seats but it is only due to people's taking Islam for granted and divided vote bank among religious groups. Once united against the anti-religion crusade, we would witness an eventuality that none of the secular fundamentalists and their supports would like: the metamorphoses from Klashnikov to the nuclear Taliban.

With the most powerful president sitting in the office, transforming the genesis of Pakistan and identity of the nation would require massive human rights abuses. Death from torture in police custody is already epidemic. Indefinite detention without any charges, sometimes up to one year under Article 10 of the constitution, is commonplace. Self-censorship is widely practiced, especially on matters relating to the armed forces, (Charles Humana, *World Human Rights Guide*, 242). With the new pro-secularism policies in place, the press would frequently taste censorship. In the near future, the government would have no option but to abrogate all political freedoms and hold thousands of "Islamists" in detention camps like Egypt and Algeria.

The secular government of Hosnie Musharraf in Pakistan would continue to obtain support of its western backers. The case of Egypt and Algeria proves this point. Unlike the Taliban, despite extra-judicial executions, disappearances, torture, rape, and continued impunity for abuses by the security forces, the west has maintained routine economic transactions with Algeria and Egypt. The European Union has granted 350 million ECU to Algeria with the expectation that more will come out of the 5.5 million ECU package to the Mediterranean area over the next five years. The IMF has provided a $1 billion loan, and the Paris Club has rescheduled $5 billion of the country's international debt, (Andrew J. Pierre and William B. Quandt, *"Algeria's War on Itself,"* Foreign Policy 99, 1995: 131-48; see esp. 144). France has provided the equivalent of nearly $1.2 billion annual aid, mostly in the form of government-backed credits, (Human Rights Watch, World Report, 1997, 271). Similarly, Egypt is receiving billions of dollars in annual American aid.

State-imposed secularisation has failed to create a sense of cultural-political identity and unity in Algeria, Egypt and Turkey. Secularisation in Algeria has divided it in the wake of resurgent Islamic tides. Forced secularisation (1953-1977) failed to take root in Iran, where faith is central to life, and morality is based on religious foundations. The Turkish experience shows that 70 years of militant secular rule have failed to generate a mass secular culture. More importantly, how can the seculars expect to de-Islamise a country created in the name of Islam when the communists could not flush Islam out of the former Soviet Union despite almost eight decades of strict ban on religious institutions and organisations.

The tensions between secularists and religious activists, however disruptive and violent at times, are creative when they are capable of inspiring the struggle to secure greater justice. The Islamic groups and movements must be included in the political process, for to exclude them is to foster extreme, radical, and violent reaction. There is no real alternative to stop listening to Masters sitting in the Western capitals. Agendas of the "moderates" must meet the standards of the much vaunted "international HR" if they are to claim legitimacy. Without religion, however, secular ideologies tend to

View Point

Abid Ullah Jan

Hosnie Musharraf in making.

Has the process of Egyptianising Pakistan reached its final stage? Are we inching towards the ultimate tragedy – the Algerian kind of a civil war? With the strongest ever president in the office in Islamabad; with the strangest measures ever taken against Islamic institutions and religious groups; with the persuasive claims ever made about "moderate" Pakistan, with all the Jihad related Quarnic verses removed from school curricula, and with the explicit Pakistani support ever given to anti-Afghan US-UN policies, the stage seems to be set for a long stay of the South Asian Hosnie Mubarak in making. The US has also came down to "business as usual" with Musharraf regime and its assistant secretary of defence, Peter Rodman claims the US relationship with Pakistan as "valuable " to the American administration.

According to Rodman: "India values its independence. It values its non-alignment. So I don't think anybody should expect that India is going to collude with us," (AFP August 23, 2001). It clearly shows that we do not value our independence, we have been colluding and the US still needs us to collude to de-Islamise Pakistan and deprive Afghans of the fruits for which they have lost thousands of lives. Like Turkey, Egypt and Algeria, the self-proclaimed secular bulwarks in Pakistan are playing their role in sidelining majority of the public associated with the religious organisations and institutions. Their various approaches to collusion under the banner of liberalisation deserve a careful analysis.

Two themes are particularly relevant. The first is the dysfunctional, corrupt, and repressive nature of the western sponsored, declared and undeclared, secular regimes in the Muslim world. Their inability to put their economies on a sound footing, along with their reliance on foreign powers for protection and security, has generated crises of identity, legitimacy, and performance, provoking sharp debates. Secondly, religious groups lack a coherent reform programme and unity among their ranks to save the core of Islam. They remain stuck to their branches while the core of Islam is under attack.

THE LOGIC OF COMPARISON

In a decreasing order, the cases of Algeria, Egypt, Turkey and Pakistan illustrate the encounters between secular and religious forces. Religious organisations in Algeria have vehemently confronted the military-backed secular regime, and the country is being ripped apart by political violence that has left thousands of civilians dead. In Egypt, we see the worst kind of military dictatorship in the guise of democracy that has vowed to crush everything that can fuel religious sentiments. Turkey is led by a secular regime that has been constantly challenged by Islamic groups. In a bid to please their western Masters, Pakistani regimes since General Zia have adopted secular approaches under the labels of "liberal" democracy and "moderate" Islam.

In the last two decades, these countries have experienced the rise of anti-Islam bias to varying degrees. Turkey forced elected governments to step down, banned political parties, harassed women to remove hijab and threw men out of the job for growing beard or performing Hajj. Egyptian government on the other hand has broken all the records of human rights violations in order to silence the Islamic opposition. Algeria's current upheaval can best be described as the ultimate tragedy of an identity crisis initiated by the unjust western support of the repressive measures of an illegitimate secular government. In Pakistan, it is wrong to assert that the government and the opposition invoked Islam as a primary vehicle of mass politicisation. Islam, in fact, has been the only rallying force behind the creation of Pakistan and as such, Islam has dominated politics, economics, law, and social life. The problem only began when Benazir Bhutto started claiming herself to be a "secular bulwark" working for establishing a "liberal democratic state." The final march towards the ultimate tragedy, however, began with the present government's dedicated efforts to improve its "moderate" image with crack down on religion under different pretexts.

GROWING MISCONCEPTIONS

Although religious groups increasingly view Islam as a revitalized politico-religious vision and seek to advance its values, ideal, and institutions, but it is wrong to classify them under a variety of ideological strands. Almost all of them promote Islamic perspectives regardless of the western classification of Islam. None of them use Islamic ideology to inspire political violence. Linking sectarian violence to terrorism and terrorism to Islamic schools (*Madrassa*) and their curriculum is the sign of our consummate inanity. Even in Algeria, no one had thought of going violent until the state denied the winning parties fruits of their genuine struggle. In Egypt, the same story of unequal but opposite reaction goes in response to state terrorism against Islamic groups. Pakistan has just taken a start to please the Indian and American policy makers in the name of restoring "internal security." No matter how we may label these moves, they remain part of a grand anti-religion crusade towards establishing Mubarak like regimes -- apparently democratic but at the core the worst kind of dictatorships controlling anti-American and anti-Israel sentiments aroused as a result of their unprecedented aggression and terrorism.

While the totalising secular agenda has destroyed civil society in Algeria, it is coming to grips with it in Egypt, albeit slowly. In pre-1992 Algeria, religious parties worked more within the system than outside of it, advocating free elections and rejecting violence as a means of achieving their political objectives. Religious parties in Turkey have used political processes to

افہام و تفہیم

☆ ایک سالہ عربی گرامر کورس سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟

☆ کیا دارالکفر میں کسی مسلمان کا مستقل رہنا جائز ہے؟ ☆ مسلمان آج کل تنگ دست اور زیردست کیوں ہیں؟ ☆ مستقبل کے لئے کس حد تک بندوبست رکھنا جائز ہے؟

قرآن آڈیٹوریم میں ہفتہ وار درس قرآن کے بعد امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد سے سوال و جواب کی نشست

س: مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام ایک سالہ عربی گرامر کورس سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟

ج: اس کورس کا دورانیہ نو ماہ ہے۔ اس کا مقصد لوگوں میں عربی زبان کی اتنی سمجھ بوجھ پیدا کرنا ہے کہ وہ قرآن مجید کو پڑھتے ہوئے یا اسے سنتے ہوئے اس کا مفہوم براہ راست سمجھنے کی اہلیت حاصل کر سکیں۔ اسی لئے اسے ''رجوع الی القرآن کورس'' کا نام دیا گیا ہے۔ درحقیقت قرآن حکیم کو محض ناظرہ یا ترجمے کے ساتھ پڑھ لینے سے اس کی اصل تاثیر حاصل نہیں ہوتی۔ قرآن مجید انسان کے قلب و روح پر اسی وقت اثر انداز ہوگا اور اس کے فکر و احساس کو تبھی متحرک کرے گا جب اسے براہ راست سمجھ کر پڑھا جا رہا ہو۔ اس کورس کی یہی غرض و غایت ہے۔ نو ماہ پر محیط اس کورس کے ذریعے عربی زبان اور بالخصوص عربی گرامر کے اصول و قواعد طلبہ کو پڑھا دیئے جاتے ہیں۔ لیکن وقت کی کمی کے باعث محض دو یا تین پاروں کا ترجمہ گرامر کے قواعد کو apply کرتے ہوئے کرایا جاتا ہے۔ چنانچہ پھر طلبہ کچھ اضافی محنت اور مشق کے ذریعے مطلوبہ اہلیت حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کورس میں عربی صرف و نحو کے ساتھ تجوید' کچھ احادیث اور دینی لٹریچر بھی پڑھایا جاتا ہے۔

س: کیا دارالکفر میں کسی مسلمان کا مستقل رہائش رکھنا جائز ہے؟ مہربانی فرما کر رہنمائی فرمائیے۔

ج: تلاش معاش' روزگار یا تعلیم کے حصول کے لئے دار الکفر کا سفر کرنے میں شرعی حوالے سے اگرچہ کوئی امر مانع نہیں ہے تاہم اس میں سماجی روایات اور مذہبی اقدار کے حوالے سے کچھ اندیشے ضرور درپیش ہوتے ہیں۔ انسان جب کسی جگہ مستقل قیام کرتا ہے تو اس ماحول سے بالکل لاتعلق نہیں رہ سکتا۔ ایسی صورت حال میں یہ تو ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنی بچپن کی تربیت اور دین سے وابستگی کی بنا پر اپنی ذات کی حد تک ثابت قدم رہے لیکن اس کی آئندہ نسل کے بارے میں اغلب امکان یہی ہے کہ وہ ایسے ماحول کے اثرات سے خود کو نہیں بچا سکے گی۔ جب ایک بچہ اسلام مخالف ماحول میں پیدا ہوگا' اسی گردوپیش میں پلے بڑھے گا اور وہیں کے تعلیمی اداروں میں جا کر تعلیم حاصل کرے گا تو اس کا نتیجہ لامحالہ دین سے دوری بلکہ بغاوت کی صورت میں سامنے آئے گا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ ایسی صورت حال سے جس قدر ممکن ہو بچا جائے۔

س: کیا وجہ ہے کہ آج کا مسلمان کل کے مسلمان کے مقابلے میں تنگ دستی کی زندگی گزار رہا ہے حالانکہ یہ سائنسی ترقی اور مادی آسائشوں کا دور ہے؟

ج: میرے نزدیک مسلمانوں کی موجودہ حالت اللہ تعالیٰ کی جانب سے سزا اور اس کے عذاب کی ایک صورت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے دنیا میں کہیں بھی اسلام کے نظام کو مکمل طور پر قائم کر کے نہیں دکھایا۔ جب تک ہم اللہ تعالیٰ کا نظام عدل و قسط نافذ کر کے دنیا پر حجت قائم نہیں کر دیتے کہ یہ ہے حضرت محمد ﷺ کا لایا ہوا دین' اس وقت تک ہم اسی کیفیت میں مبتلا رہیں گے۔ مادی تنگ دستی بھی عذاب ہی کی ایک صورت ہے۔ جو لوگ ذرا خوش حال نظر آتے ہیں' وہ عزت نفس سے محروم ہیں۔ اس کا اطلاق انفرادی طور پر بھی کیا جا سکتا ہے' اور ان اسلامی ممالک پر بھی جو امیر ہونے کے باوجود کسی حیثیت کے مالک نہیں۔ مسلمان امت پر بحیثیت مجموعی ذلت اور مسکنت طاری کر دی گئی ہے اور جو حالت کبھی یہود کی تھی' آج ہماری ہے۔

س: نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر کے اگلے دن کا بھروسہ کامل اللہ پر رکھتے تھے۔ وضاحت فرمائیں کہ مستقبل کے لئے کس حد تک بندوبست رکھنا جائز ہے؟

ج: اس ضمن میں کوئی لگا بندھا اصول وضع نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لئے ہر انسان کا اپنا احساس اور اس کے اپنے ایمان کی گہرائی یہ فیصلہ کرے گی۔ ہر انسان کو ذاتی حوالے سے اپنے باطن میں جھانک کر یہ دیکھنا پڑے گا کہ اسے اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر کتنا یقین ہے۔ مزید یہ کہ وہ کس حد تک توکل کر سکتا ہے۔ آخرت کے لئے کیا بھیجے اور اپنے پاس کتنا بچا کر رکھے۔ مالیاتی معاملات میں شریعت نے زکوٰۃ تو فرض کر دی ہے جسے لازماً وصول کیا جائے گا لیکن اس سے آگے کا معاملہ فرد کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید سے ہمیں ان الفاظ میں رہنمائی ملتی ہے: ''اے نبی! (یہ لوگ) آپ سے پوچھتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں' کہئے جو بھی تمہاری ضرورت سے زائد ہو''۔ اب اس ''ضرورت'' کا تعین انسان کو خود کرنا ہوگا اور اسی سے اس کے ایمان' یقین اور دین سے وابستگی کا معیار معین ہوگا۔

واضح رہے کہ توکل کا یہ درجہ کہ آدمی اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کر کے اگلے دن کی روزی کے معاملے کو بھی اللہ کے سپرد کر دے اور اسباب سے بالکل مستغنی ہو جائے' ایسا قانون نہیں ہے کہ جس کی پابندی سب پر لازم ہو۔ درحقیقت یہ سراسر اختیاری فقر کے ذیل میں آتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے دور میں بھی خود نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ اور چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی ایسے تھے جنہوں نے اس قسم کا انداز زیست اختیار کیا۔ دوسرے صحابہ عام لوگوں کی طرح اپنی معاش میں ترقی کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ مختلف غزوات کے موقع پر مسجد نبویؐ کا صحن مال و اسباب سے بھر جاتا!

اعترافِ تقصیر

''ندائے خلافت کے شمارہ نمبر 27 بابت 26 جولائی تا یکم اگست کی پشت پر المیزان انوسٹمنٹ بینک کے ربا فری سرٹیفکیٹ کا اشتہار شائع کیا گیا تھا۔ یہ اشتہار اس بنیاد پر شائع کیا گیا کہ ایک معروف مفتی صاحب نے مذکورہ سرٹیفکیٹ سکیم کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ لیکن اس اشتہار کی اشاعت کے بعد مذکورہ بینک کی Working کے حوالے سے بعض ایسی خبریں سامنے آئی ہیں کہ جن کی موجودگی میں اسے ''ربا فری'' قرار دینا ہمارے نقطہ نگاہ سے محل نظر ہے۔ لہٰذا ندائے خلافت میں اس بینک کی مذکورہ سکیم کے اشتہار کی اشاعت پر ادارہ معذرت خواہ ہے اور قارئین سے التماس ہے کہ وہ مذکورہ سکیم میں سرمایہ کاری سے قبل اپنے طور پر بھی اس کے شرعی ہونے کی تحقیق کر لیں''۔